



سگمنند فرزند

(حالات زندگی اور نظریات)

شیر محمد اختر

فہرست

○ حالات زندگی

13	۱
16	۲
25	۳
34	۴
44	۵
53	۶
58	۷
65	۸
71	۹

○ نظریات

77	☆ پس منظر
	☆ وقتی زندگی
85	☆ لاشعور
94	☆ دباؤ (Repression)
99	☆ زبان اور قلم کی لغزشیں
104	☆ جنس
113	☆ خواب
130	☆ ایک جائزہ

حالاتِ زندگی



6 مئی 1856ء کو ایک ادنیٰ متوسط درجے کے یہودی گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نام سگمنڈ فرائڈ رکھا گیا۔ وہ عام بچوں کی طرح بڑھا، جوان ہوا، اس پر بڑھاپا آیا اور پلٹا فر 1939ء میں تراشی برس کی عمر پر کرفوت ہو گیا۔ پیدائش آغاز ہے اور موت انجام..... یہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

آدی پیدا ہوتے ہیں، زندگی بسر کرتے اور مر جاتے ہیں۔ کروڑوں ایسے حادثات ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی غیر معروف جگہ میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور جوان ہو کر دنیا میں تھلک بچا دیتا ہے۔ وہ ایک بے پناہ قوت ہوتی ہے۔ جو سارے زمانے کو اپنے ساتھ بہا لے جاتی ہے۔ ایسے لوگ جینیئس (Genius) کہلاتے ہیں۔ ان کی پیدائش زمانے کا بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے۔

فرائڈ نے دنیا میں اتنا بڑا ادنیٰ انقلاب پیدا کیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی اس کا شدید ترین مخالف میکڈوگل اس انقلاب کا یوں اعتراف کرتا ہے:

”ارسطو کے وقت سے لے کر آج تک کسی نے انسانی فطرت کو اس خوبی سے نہیں سمجھا جیسے فرائڈ نے۔“

فرائڈ انسانیت کا محسن ہے۔ وہ ایک انسان ہے اور ہم اسی زاویہ نگاہ سے اس کی زندگی کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ہیرو کی ذات کے گرد بڑائی، اچھائی اور مصدومیت کے پردے استے دیڑھ ہوتے ہیں کہ ان کے پیچھے اس کی ذات چھپ جاتی ہے۔ ”ہیرو فوق البشر ہوتا اور فرشتے اسے سجدہ کرتے ہیں“ فرائڈ نے اپنے تئیں ہیرو نہیں بنے دیا۔ بلکہ وہ تو ان توہمات سے نجات دلاتا ہے جو ہیرو کو انسان نہیں رہنے دیتے۔ وہ اپنی بات منوانے کے لئے کسی ”الہامی“ حکم کا سہارا نہیں ڈھونڈتا، بلکہ نہایت دیانت داری اور بیدردی سے خود اپنی ذات کو ”عمل جراحی“ کے لئے مجتہد کرتا

ہے۔ وہ دیر تا بجنے کا آرزو مند نہیں۔ وہ توبت چھن ہے۔ اس کا ہر نظریہ انسانی اقتدار کو بدلتا ہے۔ ہماری زندگی میں وہ ہے بہت حسین ہوتے ہیں۔ لوگ ان کے حسن میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ انہیں اپنا بھی ہوش نہیں رہتا۔ فرائڈ نے انسانی ذہن کو ان واسطوں سے نکالا۔ اور وہ سارے پردے جو ان کی وجہ سے ذہن پر پڑے تھے، ہٹا دیے۔

فرائڈ میں ایک بڑا سراہ جلت کا فرما نظر آتی ہے۔ وہ نعت ہے جو فطرت نے اسے عطا کی۔ وہ جس موضوع کو پیش کرتا چاہتا ہے۔ اس کا اثر اذہان پر نہایت کامیابی سے ہوتا ہے وہ جب ”وجدانی دور بنی“ سے مریضوں کے حالات لکھتا ہے۔ تو ان کی ذہنی الجھنیں اور کشمکش مرض کی حدود سے نکل کر چیتے جاگتے کردار بن جاتے ہیں۔ الفاظ میں سے ان کے چہروں کے نقوش اباگر ہوتے ہیں۔ جذبات کا اظہار اتنا نمایاں ہوتا ہے کہ وہ چہرے ہمیں مانوس معلوم ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کی عادات و اوضاع و اطوار سے دلچسپی ہونے لگتی ہے ان کی سرشتیں اور دکھ، محبت اور نفرت اتنا فطری ہے کہ ہم فرائڈ کو ایک ہاکمال اور بلند پایہ فن کار سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

فن کار اور سائنسدان کا یہ احتراج کوئی حیران کرنے والی بات نہیں۔ فن کار اپنے کرداروں کی تخلیق کرتا ہے اور سائنسدان (تجزیہ کار) تجزیے کے ذریعے اس تخلیق میں سے ایک اور تخلیق کرتا ہے جو فن کار کی تخلیق کا پرتو ہوتی ہے اور دونوں کا اصل ایک ہی ہے۔

فرائڈ کے نظریات کا مطالعہ سائنسٹک زاویہ نگاہ سے ہونا چاہئے۔ یہ نظریات بہت انقلابی ہیں۔ اس لئے عقل فکر، کشادہ دلی اور وسعت نظر کی ضرورت ہے۔

1931ء کا واقعہ ہے کہ فریجرگ (زیکو سلوویکیا) کے قصبے میں وہاں کے باشندوں نے ایک

مکان کو یوں عزت افزائی کی کہ اس کے باہر ایک محنتی نصب کر دی۔ یہ مکان اب اک یادگار بن گیا ہے اور لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے۔ جہاں سنگنڈ فرانتز پیدا ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ شاعر جوانی میں مر جاتے ہیں اور نظمیروں پر ان کے وطن میں کوئی ایمان نہیں لاتا۔ لیکن فرانتز اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ پلا خراس کے وطن میں اس کی اتنی قدر تو کی گئی۔

سنگنڈ فرانتز کا باپ یعقوب فرانتز لون کا سوداگر تھا۔ چالیس برس کی عمر میں اس نے دوسری شادی کی۔ اس کی دوسری بیوی میں برس سے بھی کم عمر کی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد

سنگنڈ پیدا ہوا۔ اس کی ماں ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ جس میں علم و ادب کا کافی چرچا تھا۔ سنگنڈ پیدا ہوا تو گاؤں کی ایک بوڑھی عورت نے اسے دیکھ کر خوش گوئی کہ ”یہ بچہ بہت بڑا آدمی

ہوگا۔“ چنانچہ اس خوش گوئی کو اس کے بچپن میں کافی اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ خود فرانتز نے اسے سنا۔ لیکن بڑے ہو کر اس نے اس کے متعلق لکھا کہ ”ایسی خوش گوئیاں بکثرت کرتی چاہیں۔ کیوں

کہ بہت سی ماؤں کا دل اپنے بچوں کے متعلق ایسی تمناؤں سے بھر رہا ہوتا ہے۔ اور گاؤں کی بوڑھی عورتیں اپنی لگائیں مستقبل پر لگائیں ہیں۔ پھر کون چاہتا ہے کہ اس کی خوش گوئی پوری نہ ہو۔“

فرانتز ایک پیارا بچہ تھا۔ اس کے سر کے بال گھنے اور سیاہ تھے اور اسی لئے ماں پیار سے اسے نوا مود لہ کہا کرتی۔

پہلی بیوی کے بطن سے یعقوب کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام عثمان نکل تھا۔ جب سنگنڈ پیدا ہوا۔ عثمان نکل کی عمر میں برس کے قریب تھی اور وہ ایک بیٹی اور ایک بیٹے کا باپ تھا۔

۱۔ (Moore) مورخہ ماری اور مرلی نسل کے باشندے جو افریقہ کے شمال مغرب میں رہتے ہیں۔

سگنڈ کا جیتجا اس سے ایک سال بڑا تھا۔ یہ سارا کنبہ ایک ہی گھر میں رہتا تھا۔ سگنڈ اپنی ماں کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ لیکن خاندان میں سب سے چھوٹا تھا۔ عمر کے لحاظ سے اس کا باپ اس کے دادا کے برابر تھا۔ سگنڈ کی ماں سوتلا بھائی عمارتوں اور بھائی (عمارتوں کی بیوی) تینوں ہم عمر تھے۔ سگنڈ بچپن میں اپنے بچپن سے خوب کھل کر رہا کیا کبھی کبھار دونوں میں جھگڑا بھی ہو جاتا۔ ایک بار جب اس کے باپ نے دریافت کیا کہ تم نے کیوں اپنے بچپن کو مارا ہے۔ تو سگنڈ نے بڑی بے ہوشی سے جواب دیا۔ "اس نے مجھے مارا تھا۔ میں نے اسے مارا ہے۔"

سگنڈ کا بچپن شرارتوں سے خالی نہیں تھا۔ ایک بار منع کرنے کے باوجود وہ کوئی چیز اونچی جگہ سے اتار رہا تھا کہ گر گیا اور اس کے پچھلا جزا ڈھکی ہو گیا۔ زخم اتنا گہرا تھا کہ اس کا نشان باقی رہ گیا۔ وہ اڑھائی برس کا تھا کہ ان کے ہاں اس کی بہن پیدا ہوئی اسے دیکھ کر اس نے حسد کا اظہار کیا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ ایک بار تجسس کی حسکین کے لئے والدین کے سونے کے کمرے میں گھس گیا اور باپ کو اسے باہر نکالنا پڑا۔

سگنڈ ابھی چار برس کا تھا کہ اس کا باپ ہجرت کر کے وی آ نکا آ گیا اور وہاں اپنا کاروبار شروع کیا۔ وہ متوسط درجے سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنی تعلیم کے متعلق فرانز اپنی "خود نوشتہ سوانح حیات" میں لکھتا ہے۔

"میں ابھی چار برس کا بچہ ہی تھا۔ جب ہم لوگ وی آ نکا آ گئے اور میں نے اپنی تعلیم سیکھ کر مکمل کی۔ ہائی سکول میں سات برس تک میں جماعت میں اول آتا رہا۔ اس کی وجہ سے مجھے یہ رعایت دی گئی کہ سالانہ امتحان لئے بغیر مجھے اگلے درجے میں چڑھا دیا جاتا۔ اگرچہ ہمارے گھر پر حالات کوئی اچھے نہ تھے۔ لیکن میرے والد کو اسرار تھا کہ میں اپنے رجحان کے مطابق پیشہ اختیار کروں۔ میں نے معالج بننا پسند کیا۔ حالانکہ مجھے نہ شروع میں اور نہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس فن سے دلچسپی تھی۔ یہ محض تجسس تھا جو مجھے اس سمت متوجہ کر لیا۔ مجھے قدرتی مناظر سے زیادہ انسان کے اعمال سے لگاؤ رہا ہے۔ لڑکپن میں انجیل کی ایک کہانی میں نے پڑھی تھی جس کی وجہ سے مجھے ڈاکڑی کا شوق ہوا۔

سکول میں میرا ایک دوست تھا۔ وہ مجھ سے اگلی جماعت میں پڑھتا تھا اور میں اس سے بہت متاثر ہوا کرتا۔ بڑا ہو کر وہ سیاست دان بنا۔ میں نے بھی قانون پڑھنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ

جب ہم فرانز کے زمانے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں وی آ نکا کی سوسائٹی میں عام طور پر ریا کاری اور کافی حد تک منافقت نظر آتی ہے۔ اس کا سبب کچھ تو زمانے کے عام حالات تھے اور کچھ ان حالات کا نتیجہ جو وی آ نکا اور آسٹریا کی سرزمین سے خاص تھے۔ اس زمانے میں اگرچہ کھلے بندوں جنس کے متعلق بات چیت کرنا مہیوب خیال جاتا تھا۔ لیکن نو جوان تارک گمشو میں چھپ کر مصنوعی طریقہ پر خوب پڑھا کرتے۔ مریاں ادب کی کتابیں عام تھیں اور انہیں بچے تک لے کر پڑھتے تھے۔ کئی ادیب جو آج اپنے ادبی معیار کی وجہ سے نامور گئے جاتے ہیں اور جن میں فرانسیسی ناول نگار ایمل زولا سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اُس زمانہ میں ان کی کتابیں زہریلی بھی جاتی تھیں اور نو جوان عورتوں کو ان کے پڑھنے سے باز رکھا جاتا تھا۔ اس طرح ان کتابوں کی چارہ بیت اور بڑھ جاتی اور وہ زیادہ مقبول ہوتیں۔

اُسی زمانے کی ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ متوسط طبقے کے ذہنوں پر اشتراکی ادب تسلط بھار رہا تھا۔ اسی زمانے میں جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر بے بیل (Bebel) نے ایک کتاب شائع کی جس میں "عورت کے حقوق" پر بحث کی گئی تھی۔ اس کتاب میں ملوانفیت کے مسئلے پر کھلے الفاظ میں بحث کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کتاب کافی مقبول ہوئی اور اس سے رجعت پسند طبقوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ کیوں کہ مصنوعی مسائل پر اس بے باکی سے تنقید کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی۔

اُس وقت وی آ نکا کی سوسائٹی میں دورانی پائی جاتی تھی۔ اُس وقت کا ذہن خلوص سے بڑی حد تک عاری تھا۔ جہاں تک سیاسی اور سماجی پس منظر کا تعلق ہے یہ رجحان عام تھا۔ کہ جب حالات ناموافق ہوں تو رخ پھیر لیا جائے اُس وقت آسٹریا میں آئینی بادشاہت اپنی ظاہری شان و شوکت

کے ساتھ قائم تھی۔ آزادی کا دستور موجود تھا۔ پارلیمان کے دو ایوان تھے اور دستور روز راک کی کاہنہ بھی۔ خود مختار عدالتیں تھیں اور حکومت کی پوری مشینری بھی۔ لیکن اس کے باوجود داخلی طور پر یہ سارے ادارے بے جان تھے ان کو ذرا بھر اختیار حاصل نہ تھا حکومت کا سارا اختیار آسٹریا کے "آئشی خاندانوں" کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ امراء کی ایک ایسی زبردست جماعت تھی کہ کوئی اس کی مخالفت کا خیال دل میں لاتا۔ تو یہ اس نکال باہر کرتے۔ انہوں نے آپس میں ہر شے ٹائے کر لئے تھے اور "آئشی خاندان" ایک کنبہ بن گئے تھے۔ بادشاہ بوڑھا تھا اور دربار کے آداب اس قدر سخت تھے کہ وہاں تک رسائی مشکل تھی۔ راجی اپنی رعایا سے بالکل کٹ گیا تھا۔ اس کے گرد جس قدر امراء اور درباری تھے۔ سب کے سب انہیں "خاندانوں" کے افراد تھے۔ حکومت کے ہر شعبے پر انہی کا تسلط تھا۔ کسی کی مہال نہ تھی کہ ان کے سامنے چوں و چرا کر پائے۔ ملک کی جس قدر زمین تھی اس پر ان لوگوں کا قبضہ ہوتا گیا۔ جنگلات، ہنجرہ دار، چراگاہیں، مال و مویشی سب ان کی ملکیت تھے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ملک بھر کے کسانوں کے بھی مالک تھے۔ حکومت کرنا وہ اپنا پیداؤٹی حق سمجھتے تھے اور حکومت کا نشان کے دگ دپے میں اس حد تک مراہت کر گیا تھا کہ انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی رحمت ہی گوارا نہ کی تھی کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی بھی ہے جس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ جاہ و حشمت انہیں ورثے میں ملتی تھی اور وہ اپنی خاندانی روایات پر پوری طرح قائم رہتے تھے۔ انفرادی طور پر ان میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جن کی ذات قابل قدر اور شخصیت قابل نظر تھی۔ کچھ لوگ ذہین بھی تھے لیکن مجموعی طور پر ان کا تاثر محام کی زندگی پر مہم نہیں تھا۔

یہاں ایک لطیفہ قابل ذکر ہے۔ وہی آکٹوپس خوردنی کے شعبہ تعلیم کا ایک پروفیسر ذرا بے باک واقع ہوا تھا۔ مقابلے کے امتحان میں جہاں وہ مستحق تھا۔ ایک نومر لڑاکا اس کے سامنے پیش ہوا۔ یہ "آئشی خاندانوں" والے کنبے کا ایک فرد تھا۔ لڑاکا بالکل کورا تھا اور کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ پروفیسر نے مسخرے کے طور پر اسے مخاطب کر کے کہا۔ "نواب زادہ صاحب ایہ تو میری طاقت سے باہر ہے کہ میں آپ کو گورنر کے عہدہ پر جتھکن نہ ہونے دوں۔ آج ضرور کر سکوں گا کہ یہ فیصلہ ایک سال کے لئے ملتوی ہو جائے۔"

اس دور میں زندگی کے ہر شعبے میں ایک ابہام تھا۔ ظاہر طور پر سیاسی جماعتیں موجود تھیں۔

اجتہاد لڑے جاتے تھے۔ پارلیمنٹری مباحثے ہوتے تھے قانون پاس کئے جاتے تھے اور ان کی تعمیل کے لئے دفاتر بھی موجود تھے اور بظاہر یہی ہوتا تھا کہ ملک میں جمہوریت کے اصولوں پر حکومت کا نظام چل رہا ہے لیکن یہ محض دکھاوا اور دھوکہ تھا۔ جس سے بیرونی دنیا کو مغالطہ دیا جاتا اس زمانے میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لئے ضروری تھا۔ کہ ”اوپر کے طبقے“ کی سفارش ہو۔ اگر کوئی براہ راست ان تک نہ پہنچ سکتا۔ تو اسے ایسے لوگوں کی تلاش ہوتی۔ جن کو اس طبقے نے اختیار دے رکھے تھے۔ اگر کوئی یہ چاہتا کہ قانون کی حدود کے اندر رہ کر اپنا مقصود حاصل کر لے۔ تو یہ ناممکن تھا۔ مطلب برابری کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرنا لازمی تھا۔ عوام کو مطمئن کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے جو اطلاعات کئے جاتے۔ ان کا تعلق اصل فیصلے سے کم ہوتا تھا۔ قول و فعل میں کافی تضاد تھا۔

متوسط طبقے کے لوگ اشرافیہ کے نقش قدم پر چلنا باعث افکار رکھتے تھے۔ اس فحاشی میں ذرا ذرا سی بات تک کا دھیان نہ رکھا جاتا۔ یہودیوں کا امیر طبقہ بھی کافی آگے بڑھا یا تھا۔ ان کا مذہب اب ان کی راہ میں رکاوٹ نہ رہا تھا۔ بلکہ دولت کی فراوانی ان کے آگے لانے میں مدد دے رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ امیر یہودی اور غریب یہودی میں فرق ہونے لگا۔ برسر اقتدار طبقے کا طرز زندگی بہت دلچسپ اور مرحوب کن ہوتا تھا۔ اور اس کا اثر بہت گہرا..... اس زمانے میں ”امارت“ کا لفظ ہر قسم کی وضع داری امیرانہ ٹھاٹھ چاڑھیت اور مرحوب کرنے کی بلند ترین تعریف کے مترادف تھا۔ متوسط طبقے کے لوگ لباس اور اوضاع و اطوار کے اعتبار میں کوشش کرتے کہ انہیں اشرافیہ میں سے سمجھا جائے۔ یہ حسین دھوکا دینے کے لئے معقول پلمودی جاتی۔ اور دل کھول کر روپیہ پیسہ خرچ کیا جاتا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے جن کی گھریلو زندگی بالکل معمولی تھی۔ وی آ نکا بھر میں پل لینے اور دینے کا اتنا رواج تھا کہ جب کوئی کسی کے ہاں جاتا تو دروازہ کھولنے والا خادم بھی پل کا طالب ہوتا۔ ایک طنز نگار نے لکھا ہے کہ ”حشر کے دن وی آ نکا کے لوگ سب سے پہلی چیز جو دیکھیں گے وہ ایک ہاتھ ہوگا جس نے ان کا تابوت کھولا ہوگا۔ اور وہ ہاتھ پل کے لئے پھیلا ہوگا۔“

پل کرنا جاگیردارانہ نظام کا ایک ممتاز پہلو تھا۔ جو شخص ”امارت“ سے تعلق رکھتا۔ اس کی اس

رسم سے روگردانی تحقیر کا باعث تھی اور اپنی ذلت و تحقیر کو بے پرواشت کر سکتا ہے۔ اس لئے کبھی ایسا موقع ہی نہ آنے دیا جاتا تھا۔

جب کوئی شخص کسی اچھے ریسٹوران میں کھانا کھاتا تو اسے چار مختلف طبقوں کو بپ کرتا ہوتا تھا۔ سب سے پہلے اس خادم کو جبراً روڑ لیتا یہ عموماً خادموں کا سر براہ ہوتا دوسرا نمبر اس خادم.... کا ہوتا جو کھانا لے کر آتا۔ تیسرے درجے پر وہ خادم تھا۔ جو کھانے کے بعد شراب لاتا اور چوتھا خادم ریسٹوران کے باہر کھڑا ہوتا اور ہر جانے والے کو کوٹ پہنانے میں مدد دیتا یا گاڑی میں سوار کرانے کے لئے دروازہ کھولتا۔ ریسٹوران کے خدام بپ کی مالیت کے مطابق ہر آنے جانے والے کو مخاطب کرتے تھے۔ سب سے اونچی درجے کا خطاب ”ہرڈ اکثر“ تھا جو خطاب غلوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے بعد ”ہرفان“ (Herr Von) کا درجہ آتا۔ (فرانسیسی میں اس کا مترادف مونسینور تھا) اور سب سے بڑا درجہ ”ہریرن“ (حضور نواب صاحب) کا تھا۔ ان القاب میں وحی ریا کاری موجود تھی جو زندگی کے دوسرے شعبوں میں پائی جاتی تھی۔ مثلاً ایک طالب علم کو ”ہرڈ اکثر“ کہہ کر پکارا جاتا اور جب وہ اور زیادہ بپ کرنے لگتا تو اسے فوراً ”ہرفان“ کا لقب عطا ہوتا۔ کھانا بیچنے والے شخص بپ کے زور پر ”ہریرن“ بن جاتا۔

دی آ نکا کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہاں پہلی عالم گیر جنگ سے قبل اجتماعی پیداوار کے خلاف ایک عام جذبہ پایا جاتا تھا۔ دی آ نکا کے باشندے ہر چیز میں انفرادیت کے کائل تھے۔ اگر کسی بات میں انفرادیت بھرتا آتی تو اپنے تئیں دھوکا دینے کی کوشش کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ سے پہلے دی آ نکا میں کوئی ایسا بڑا اسٹور نہیں تھا جہاں کاروبار کا ہر شعبہ موجود ہو۔ ہر شخص کا ”اپنا“ درزی ہوتا اور ”اپنا“ خوردہ فروش اور سب سے زیادہ اہمیت ”اپنے“ کافی ہاؤس کو دی جاتی۔ دی آ نکا والوں کو کافی سے دالہا نہ محبت تھی۔ جب کوئی ”اپنے“ کافی ہاؤس میں جاتا تو وہاں کا بھر اس کی مرضی کے مطابق خود بخود کافی ہلائی اور شکر لاکر حاضر کر دیتا۔ اپنے کافی ہاؤس میں یہی تو خصوصیت تھی کہ وہاں کے خدام آپ کی پسند کو جانتے تھے۔ پھر کافی کی کئی اقسام تھیں جو مختلف لوگوں کی پسند کے مطابق ہوتیں۔

دی آ نکا کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”دی آ نکا میں زندگی نصف شامری بن کر شاعر کی قوت تخلیق کو کمزور کر دیتی ہے۔“ پھر یہاں کی عدم مساوات کی ساحرانہ کشش دل کو بھاتی تھی۔

بعض لوگوں کے لئے اس کشش کی مزاحمت کرنا اور سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ ایک طرف تیرہ و تار مگلیاں ہیں۔ مکانات کے ساتھ گندکی پڑی ہے۔ گھروں کے معرصحت کمرے اور گلی کو چوں کا شور و شعبدہ اور دوسری طرف گاتھک طرز کے عالی شان گرجے اور بلند و بالا محلات کھڑے ہیں۔ سرسبز پہاڑیوں کی ٹیڑھی کیکر شہر کو گھیرے ہے۔ اور ہر سوز پر کوئی نہ کوئی جنگل اور چراگاہ نظر آتی ہے۔ ایک ہی شہر میں یہ دو متضاد نظارے ایک دوسرے میں اس سا حرا نہ طریق سے سموئے ہیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے اس حیرت انگیز طریق سے جو الپاتی لوق کے ساتھ تعصب اور حرص و ہوا بھی اُن کی طبیعت میں کھلی ملی ہوئی تھیں جو زندگی کے ان تاریک اور روشن پہلوؤں کے مابین تھے۔ پھر اُن کی ذہنی حالت کا مظاہرہ ایسی صورتوں میں ہوتا۔ جن کی توقع نہ ہو سکتی تھی۔

انسان نے حسن کی تخلیق مختلف صورتوں میں کی ہے۔ دی آ نکا والوں کو اس کی دو صورتیں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ ایک شگیت اور دوسرا ڈراما۔ دی آ نکا کی یہ دونوں باتیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ فرانڈ زندگی بھر شگیت سے بے بہرہ رہا اور فنون سے صرف یہی ایک ایسا فن تھا جس سے اُسے لگاؤ نہ ہوا۔

ڈرامہ کو دی آ نکا کی زندگی میں شگیت کا داخل نہیں تھا۔ سارے یورپ میں دی آ نکا ہی ایسی جگہ تھی۔ جہاں سترہویں صدی میں عوامی تھیٹر کا رواج ہوا۔ اولی شہ پاروں کے بجائے پریوں کی کہانیاں یا حرامیہ ڈرامے پیش کئے جاتے۔ انیسویں صدی میں اگرچہ اس میں کچھ ترقی ہوئی مگر پھر بھی پرانے ڈرامے کے آثار باقی رہے۔ دی آ نکا کے لوگ تھیٹر کے ایسے ہی دلدادہ تھے جیسے سترہویں صدی میں۔ مجالس میں تھیٹر اور اداکاروں پر خواب رائے زنی ہوتی اور اس رائے زنی کو دی مقام حاصل تھا جو سیاسی اور سماجی مسائل کو۔

تھیٹر کا شوق دی آ نکا میں اس قدر ترقی کرتا گیا کہ تماشا گاہ سے نکل کر زندگی پر حاوی ہو گیا۔ لوگ اپنی روزمرہ زندگی میں اداکاری کے موقع تلاش کرنے سے نہ چوکتے۔ پولیس کا سپاہی جب کسی ڈرامیڈ کے مشابہ کرتا یا کوئی عورت ہنری والے سے سودا سلف لیتی۔ بس کانڈکٹریاں بات کرتا یا عدالتوں میں مدعی اور مدعا الیہ ایک دوسرے پر جرح کرتے تو اپنا پارٹ خوب ادا کرتے۔ یہ اداکاری ان کی زندگی کا ایک جزو تھی۔ دی آ نکا والے اپنی عظیم طبیعت اور دلاویزی کے سبب مشہور ہیں۔ اپنی اس اداکاری میں یہ دونوں صفات شامل کر لی جاتیں۔

ایک طرف تو یہ حالت تھی اور دوسری جانب دلدوز نظارے سامنے آتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے وی آ نکا کو یہ شہرت دی۔ اُن کے ساتھ وی آ نکا والوں کا سلوک بہت برابرا۔ عکسیت کا جنم داتا بد حالی میں مرا۔ اکثریت ادیب، سائنس دان اور مفکر وی آ نکا والوں کی بے حسی کا فکار ہوئے۔ فرائڈ نے وی آ نکا والوں کی بے حسی کا ذکر کیا ہے۔ تجزیہ نفس کی تحریک میں شامل نہ ہونے کے سلسلے میں وی آ نکا سے جو کچھ ہو سکا اُس نے کیا۔ دنیا کے کسی اور حصے میں فاضل لوگوں اور تعلیم یافتہ طبقوں نے اتنی سرخ بے رخی اور معاذ سلوک کا اظہار نہیں کیا جتنا وی آ نکا میں کیا گیا۔ شاید اس کا سبب کچھ میری اپنی بے اعتنائی ہے میں نے اپنے طریق علاج کی زیادہ تشہیر نہیں کی۔ اگر میں کوشش کرتا اور اس بات کی تحریک کرتا کہ میڈیکل سوسائٹیوں کے عام جلسوں میں تجزیہ نفس پر مگر مکرم بحثیں کی جاتیں۔ ایسے موقعے ڈھونڈ نکالتا جن میں آپس کی چپقلش کا سامنا مہیا ہو سکتا اور دلوں کا بخار نکالا جا سکتا۔ تب شاید یہ ممکن ہوتا کہ تجزیہ نفس پر جو پابندی لگائی گئی ہے۔ وہ اب تک اٹھائی جاتی۔

فرائڈ کی شخصیت اس کی طرز فکر اور بود و باش اُس ماحول کے کلیتہً مخالف تھے جو اُس وقت وی آ نکا کا تھا اور جس میں ایک طرف ریا کاری اور پی دی دل کشی اور نقص پانا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے فرائڈ نے بڑی شدت سے صحیح حقیقتوں کے قبول کرنے پر زور دیا۔ تحقیقات کے ذریعے وہ باتیں کر دیتے ہیں۔ جن کا تصور بھی محال تھا اور نہایت جرات اور مردانگی سے اُس نے دنیا کی نیند میں خلل ڈالا۔

فرائڈ کے نظریات نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس سے متاثر ہو کر بعض لوگ اس لئے اُس کے نزدیک آئے کہ اُس کی زندگی بھی شاید ہنگامہ خیز ہوگی لیکن انہیں بڑی مایوسی ہوئی کیوں کہ اُس کی تحریروں میں اشتعال اور لڑہ خیزی تو ضرور تھی۔ مگر اُس کی زندگی نہایت سکون سے بسر ہو رہی تھی۔ انہیں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی اُس میں کوئی رنگین تھی نہ جذباتی حادثات فرائڈ ان باتوں سے گریز کرتے تھے۔ وی آ نکا کی زندگی کو اپنا کر اُس میں ڈرامائی عنصر پیدا کرنے کی بجائے وہ روز بروز اس زندگی سے دور ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ اس ماحول سے بالکل الگ تھلک تھا۔

وی آ نکا کی زندگی کے کاروبار کو سمجھنا اچھا خاصا مشکل کام تھا۔ ایک طرف پرانی وضع اور دوسری طرف نئی بود۔ نفس پرستی کے کے بالفاظ زہد و تقویٰ اس دو گونا ماحول نے اپنی ریا کاری

اور تصنع کے باوجود بڑے بڑے انسان پیدا کئے وہی آ نکا میں متوسط طبقہ اپنی اکثریت کے باعث اقتصادوی طور پر بھی پورے ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ لیکن اس اکثریت میں ذہین لوگوں کی کمی تھی۔ عام لوگوں کی ذہنی دلچسپیاں محدود تھیں اور ان میں تنگ نظری کو زیادہ دخل تھا۔ گفتگو میں عامیانہ پن زیادہ اور ذوق سلیم کا فقدان تھا۔ وہ لوگ جنہیں لکھا پڑھا کہا جاتا ان کا حال بھی کوئی بہتر نہ تھا۔ تحقیق اور تحصیل علم کا شوق نام کو بھی نہ تھا۔ دنیا بھر کی نعمتوں کا حاصل بھی خیال کیا جاتا کہ انسان کھائے پیئے اور خوش رہے۔ اس پر انہیں فخر تھا اور وہی آ نکا کے اکثر لوگ اسی میں مستغرق رہتے۔ صرف چند لوگ ایسے تھے جن کی ذہنی اقامت بلند تھی۔

ذہنی آلکسی کے اس پس منظر میں ایک ایسا ذہین انسان پیدا ہوا۔ جس نے اپنے علم و فضل کی روشنی سے لوگوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا۔ اور ساری دنیا کے خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

بعض مقررین نے بار بار فرانز کے جنسی نظریات

کو وہی آ نکا کے ماحول کی پیداوار بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس زمانے میں وہی آ نکا میں جنسی آزادی بہت زیادہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ فرانز نے بھی اسی سکتے پر سوچا ہے۔ اس کے ساتھ یہ لوگ ایک اور کہادت کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ یہودی ذہن ہمیشہ غیر معمولی طور پر جنسی خیالات کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ یہ خیال بالکل وہی حیثیت رکھتا ہے جو یہودیوں کی آوارگی کو حاصل ہے۔ لیکن فرانز نے اس خیال کی پر زور تردید کی ہے اور اپنے مضمون ”تجربہ نفس کی تاریخ“ میں اس کا مفصل جواب دیا ہے۔

مخالفین نے فرانز کے نظریات پر وہی آ نکا کی مہر کا کر کوئی کمال نہیں کیا۔ بلکہ اس سے ان کے استدلال کا بودا پن نمایاں ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب ہم فرانز کے جنسی نظریات اور وہی آ نکا کی جنسیت کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں تضاد نظر آتا ہے۔

وہی آ نکا کی جنسیت میں محبت کی ٹپکلیں بڑھانے کا شوق دل آویزی اور بیہودگی پائی جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں فرانز کا جنس کا نظریہ بڑا صحیح المناک اور نکالناز حقیقتوں کا حامل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فرانز چار برس کی عمر میں وہی آ نکا آیا وہیں اسے نے ہوش سنبھالا اور تعلیم پائی۔ اسی برس تک وہیں رہا۔ تعلیم کے دوران میں اسے ایسے استاد بھی ملے جنہوں نے اس کے

سامنے خیالات کی نئی راہیں کھول دیں۔ اور اُسے حقیقات میں بھی مدد دی۔ ان باتوں کا اس پر ضرور اثر ہوا ہوگا۔ لیکن وہ تمام زندگی یہ محسوس کرتا رہا کہ وہ وی آ نکا کے قریب نہیں ہے اور نہ وی آ نکا اُس کے قریب ہے۔ یہ ماضی تھا تو فرانتز اُس کے سامنے ایک نشوونما اور وی آ نکا کے باہین آ فرد تک باقی رہا۔ برسوں وی آ نکا کے ہاتھوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ جو غور و نظر کے خداوندوں نے اُسے اس قابل نہ سمجھا۔ وہ تو اپنے دہم میں ماہرین بنے بیٹھے تھے اور ان کی ہر بات حرف آ فرایسے میں فرانتز کا نئے نظریات پیش کرتا انہیں کب بھاتا تھا وہ لوگ جو ان خداوندوں کے پرستار تھے۔ فرانتز کی طرف کیوں توجہ دیتے۔

ایک دو بار اُس کی تحقیق کی کوشش کی گئی۔ لیکن عام طور پر اسے اور اس کے کام کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ کب فرانتز کی شہرت چارواک عالم میں پھیل گئی اور دنیا کے ہر حصے سے لوگ مشورہ کے لئے آنے لگے۔ تب بھی مشورہ لینے والوں میں وی آ نکا کے لوگوں کی تعداد بہت کم رہی۔ جب فرانتز کی شہرت ایک ناقابل انکار کی حیثیت بن گئی تو پھر مجبوراً اس کی طرف توجہ ہونے لگی۔ علمی حلقے پھر بھی اپنی ضد پر قائم رہے۔ ادھر فرانتز کا یہ عالم کہ وہ بدستور وی آ نکا سے الگ تھلک تھا۔ اور شہرت جو اُسے اپنے وطن میں بہت دیر بعد پھرائی تھی اُس سے بے پروا۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے۔ جنگ سے پہلے اُسے فلکس کے محلے سے ایک پروانہ موصول ہوا۔ جس میں اُن حسابات کی درستی پر شک ظاہر کیا گیا تھا جو فرانتز نے محلے کو کیسے چنے۔ پروانے میں درج تھا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی شہرت دنیا کے مختلف حصوں سے ایسے لوگوں کو یہاں لاتی ہے۔ جو کافی فیس ادا کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب فرانتز نے یہ دیا۔ کہ مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی ہے کہ آ سزیا میں پہلی بار میرے کام کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

فرانتز کی زندگی پر وی آ نکا کا اثر خفی تھا۔ جس کی وجہ سے وہ وی آ نکا سے دور ہوتا گیا اور اُسے اُس کی دلربائی بھائی نہیں۔ اُس کا سوتلا بھائی اپنا خاندان لے کر انگلستان چلا گیا۔ اور اُس نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جب فرانتز کے کنبے کا ایک حصہ وی آ نکا سے چلا گیا تو اس کا اثر کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہوگا۔ پھر فرانتز نے اپنی بیوی ایک ایسی لڑکی انتخاب کی جو وی آ نکا کی رہنے والی تھی۔ چنانچہ فرانتز کی بیوی اور سالی جو عمر بھران کے ساتھ رہی پچاس برس وی آ نکا میں گزارنے کے باوجود وہاں کے طور طریقوں سے متاثر نہ ہوئیں۔

دی آنکا میں کوئی انجینی بھی آ جائے تو اُس کی بول چال میں مقامی رنگ ضرور آ جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں کا لب دلچھہ عمر بھر اپنا رہا۔ اور اُس میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ یہ دونوں ہمہرگ کی رہنے والی تھیں۔ جہاں کی جرمن زبان اپنی خاصیت کے لئے مشہور تھی۔ یہ دونوں لوگوں سے زیادہ میل ملاپ نہ رکھتیں پھر اُن کی زبان عام لوگ بآسانی سمجھ نہ سکتے تھے اگرچہ یہ دونوں خاصی پڑھی لکھی تھیں۔ لیکن ان دونوں کے لب لہجے میں کوئی فرق نہ آیا۔ زبان کے اس فرق کے وجہ سے کئی بار چھوٹے موٹے حادثات بھی رونما ہوئے۔ اس لسانی فرق کے علاوہ فرائڈ کے ہاں طور طریقے بھی اور تھے۔ جو کوئی پہلی بار اُن کے ہاں جاتا وہ اپنے تئیں انجینی محسوس کرتا۔ ان کا گھبرا کر چہ دی آنکا کے ایک عام محلے میں تھا مگر اس کے اندر جا کر ایک نئی دنیا کا احساس ہونے لگتا تھا۔

۳

وی آکا پر نور مل ہال کافی کھلا تھا۔ شام کے وقت ہال کی کھڑکیاں بند کر دی جاتیں۔ پردے گرا دیئے جاتے اور سارے ہال میں اگر کہیں روشنی ہوتی تو وہ کچھار کی میز اور کرسی کے اوپر آدیناں قہقہے سے آتی۔ اس کی تاریکی میں خالی بچوں کی قہقہاں دیکھ کر سوت کی سی وحشت طاری ہو جاتی۔ اکتا بڑا ہال اور اس کی گہری تاریکی سے پاس انگیز تاثیر پیدا ہوتا۔ ہر ہفتہ کی شام کو ایک اویسز مرکا آوی جس کی چھوٹی سی داڑھی، منحنی جسم اور درمیانہ قد تھا اور جو کوئی پردہ فیر معلوم ہوتا تھا۔ اس نیم تاریک ہال میں کچھ دیا کرتا۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ لیکن نگاہوں کے اندر رکھی جاتی۔ اس کی پیشانی کشادہ تھی۔ اس کی کرسی کے پاس چند اور کرسیاں نصف دائرے کی شکل میں رکھی تھیں۔ جن پر چند لوگ بیٹھے ہوتے۔ وہ اندر داخل ہوتا اور نہایت بے تکلفی سے میز کی طرف بڑھتا اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتا۔ "اگر آپ فوراً اور آگے آ جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

کچھ شروع ہوتا۔ اس کی باتوں میں بہت تاثیر تھی۔ گواہ کی آواز زیادہ بلند نہ تھی اور نہ اس میں کھرج تھی۔ یہ کچھ دینے والا سنگینہ فرائڈ تھا۔ اور یہ چند لوگ وہ مخصوص حلقہ تھا۔ جن کے سامنے وہ بولنے میں ایک دن اپنے نظریات بیان کیا کرتا تھا۔ چند برس گزر جانے کے بعد جب فرائڈ کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ اور لوگ اس کا کچھ سننے کے خواہش مند ہوئے تو پھر کچھ روم بدل لیا گیا اور فرائڈ کی آواز ابھی اتنی بلند ہوتی تھی کہ حاضرین اسے بخوبی سن سکتے تھے۔ اس طرح بلند آواز میں بولنے سے اسے کافی مشقت کرنا پڑتی۔ جب حاضرین کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو اس میں زیادہ لوگ ایسے آنے لگے جو سائنٹفک علم حاصل کرنے کی بجائے اعتراضات کرتے اور اپنی طبیعت جتاتے۔ کئی مصلحت جن کا نام سن کر شوق پلے آتے۔ اس سے اصل مقصد فوت ہونے لگا اور مجبوراً ان

عالمات نگہروں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ جنگ کے بعد کے زمانہ میں وہ شان و غار ہی تقریباً کیا کرتا۔ ہاں کبھی کبھی اسے تجزیہ نفس کی مجالس میں خطبات دیتے ہوئے۔ اس کی طرز خطابت بے خطا اور لب و لہجہ اتنا صاف ہوتا کہ سامعین کو اس کی تقاریر سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی حالانکہ اس کے الفاظ میں اتنا زور نہ ہوتا تھا کہ وہ سننے والوں پر شدت سے اثر انداز ہوں۔ اس نے کبھی غصے یا جوش میں آواز کو بلند نہیں ہونے دیا۔

شروع شروع میں ان ہفتہ وار مجالس کا ماحول بے تکلف اور غیر رسمی ہوتا تھا۔ ان میں باقاعدہ شامل ہونے والے اراکین کی تعداد پہلے پہل چھ سات ہوا کرتی تھی۔ جو پھر زیادہ سے زیادہ پندرہ تک پہنچی۔ یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں ایک حلقہ کی صورت بن گئے اور پھر تجزیہ نفس کی پہلی سوسائٹی انھیں سے مرعوب ہوئی۔ اس زمانے میں جو مسائل سامنے آتے پائے نئے نظریات نشوونما پاتے ان پر ان مجالس میں بحث و تمحیص کی جاتی۔ خواب کی تعبیر لاشعور اور جنسی دباؤ (Repression) نیورس کی ترکیب (Structure of Neurosis) ان مجالس کے محبوب موضوعات تھے۔ اجلاس کے چند سمیٹنے اپنی افادیت کے لحاظ سے بڑے اہم ہوتے کیوں کہ تجزیہ نفس کی ساری نشوونما اور اس کے متعلقات ہمیں زیر بحث آتے۔ اراکین نے ان نظریات کی روشنی میں آرٹ ادب اور سماجی مسائل کی چھان بین شروع کی۔ نورسوز اور خوابوں پر تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

ان مجالس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی۔ کہ فرائڈ کا کہا یہاں حرف آخر نہیں تھا اور نہ وہ اپنے الفاظ کو الہام کی سی اہمیت دیتا کہ جو کچھ اس نے زبان میں آیا صحیفہ آسمانی ہے۔ بخلاف اس کے بحث کے دوران میں لب و لہجہ نہایت سادہ رہتا اور تقاریر کی بجائے گفتگو کو ترجیح دی جاتی۔ مذاق کی چاشنی گفتگو کو دل پہ نہ دیا جاتا۔ کبھی کبھار طنز بھی کی جاتی۔ فرائڈ کو اپنے نظریات پر اس قدر یقین تھا کہ وہ ان پر غور و فکر اور زور دینا یا انھیں حتمی منوانا پسند نہیں کرتا تھا۔

شروع شروع میں تو تجزیہ نفس کی مجالس میں صرف فرائڈ گفتگو کیا کرتا۔ لیکن بعد میں اراکین باری باری خاص موضوع جن کر ان پر خامہ فرسائی کرتے پھر آدھری مجلس میں پیش کرتے پھر ان پر بحث کی جاتی۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ملازم شایلات پر اپنا ایک مقالہ پڑھا پھر اوردیتا یا کہ تجربہ کرنے والا کوئی لفظ کہتا ہے۔ اور جس پر تجربہ کیا جا رہا ہو۔ وہ اسے سن کر فوراً وہ لفظ بول رہا ہے۔

جو اُس کے ذہن میں خود بخود آ جائے۔ مقالہ نگار نے اس کی مثال یوں دی کہ تجربہ کرنے والا گھوڑا کہتا ہے اور سننے والا۔۔۔ کے ذہن میں فوراً ”لاہری“ کا لفظ آتا ہے فرائنڈ نے اُسے نوکا اور کہا۔ ”اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ کی فوجی رسالہ میں افسر رہے ہیں اور آپ نے گھوڑوں کی نفسیات پر کتاب بھی لکھی ہے۔“ مقالہ نگار نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر فرائنڈ بولا۔ ”تب تو واقعی آپ نے ان جانے طور پر ملازم حیالات کا قطعی ثبوت دیا ہے۔ آپ نے جو مثال دی ہے۔ اس سے آپ اور آپ کی دلچسپی کا حال حاضرین پر واضح ہو گیا۔“

فرائنڈ اس بات کا بڑی سختی سے قائل تھا کہ ہر بات کی تہ تک پہنچنا چاہیے لاشعور کی تحقیقات کے سلسلے میں وہ اکثر اپنے ”شاگردوں“ سے کہا کرتا کہ وہ عین جہنم سمجھتے ہیں کہ لاشعور کے رد عمل کا باعث ہیں ان سے بآسانی مطمئن نہیں ہوتا چاہیے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی کوئی اور اسباب ہوں اس سلسلے میں اُس نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ۔ ”کئی برس کی بات ہے کہ ایک بوڑھا معلم طب مر گیا۔ اس کی وصیت تھی کہ اُس کی لاش پر عمل جراحی کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ فحش کی چیز بھاڑ کا کام ایک مشہور اور تجربہ کار ڈاکٹر کے سپرد کیا گیا جس کے ساتھ میں بطور معاون کام کر رہا تھا۔ چہرہ بھاڑ کے دوران میں اُس ڈاکٹر نے مجھ سے کہا۔ دیکھا یہ شریا میں کتنی سخت اور موٹی ہیں۔ بالکل رسی معلوم ہوتی ہیں۔ بھلا ان کے ہوتے ہوئے انسان کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”آپ کا ارشاد درست ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ انہیں شریا توں کے ہوتے ہوئے یہ شخص برسوں زندہ رہا اور کل تک بھی نہیں کام کر رہی تھیں۔“

اعصابی امراض کی تحقیقات بہت پیچیدہ اور مشکل کام ہے۔ ایک بار اس پر بحث ہو رہی تھی کہ فرائنڈ نے ایک بات تصویر کارڈ نکالا جس پر ایک گنوار کی تصویر تھی جو ایک کمرے میں کھڑا پھونکس مار کر بجلی کا قند بجا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ۔ ”اگر آپ لوگ بیماری کی علت کو براہ راست پکڑنا چاہتے ہیں تو آپ بالکل اس گنوار کا سامن کر رہے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ آپ سوئچ (Switch) کو تلاش کریں جس سے بجلی کو بند کیا جا سکتا ہے۔“

فرائنڈ یوں اس سلسلے میں اپنے علم کی روشنی سے دوسروں کے سینوں کو منور کیا کرتا تھا۔ جن استادوں سے اُس نے سب کمال کیا تھا۔ اُن کا ذکر بھی وہ کیا کرتا۔ جب کبھی وہ تجربہ نفس کی تحریک

کا ذکر کرتا تو وہ اُن تمام منازل کو بیان کرتا جن سے وہ ہو کر گزرا تھا۔ اس تحریک کی تکمیل میں شاد کوٹہ کے نظریات کا بھی حصہ تھا۔ چنانچہ وہ اس کا نام نہایت ادب اور عزت سے لیا کرتا۔ شاد کو کی عظمت اس سے عیاں ہوتی تھی کہ اُس نے فرمائے کو اُس وقت جب کہ وہ محض ایک انجمنی تھا اپنے حلقے میں داخل کر لیا۔ بحث و تجویس کے دوران میں جب کوئی شخص کسی تجربے کو اس لیے رد کرتا چاہتا کہ اُس بارے میں کسی بڑے آدمی کا فیصلہ اس کے خلاف تھا وہ اپنے استاد شاد کو کا مقولہ بیان کیا کرتا کہ۔ ”اس سے تجربے کے وجود کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا۔“

فرمائے کی زندگی میں کوئی ایسے غیر معمولی اور رو بانی واقعات نہیں ہیں۔ جن کے ذکر سے اس کی زندگی کے بیان کو رنگین کیا جاسکے اُس نے ساری عمر تحقیق و تجویس میں گزاری تھی۔ دنیا کی رنگینیوں کو دیکھنے یا ان سے لطف اُندوز ہونے کا اُسے موقع نہیں ملا۔ اس نے غریب رہنے والوں نے بھی کبھی اُس سے کوئی ایک آدھوا قدم لیا یا اُس نے خود اپنے مختصر سے حالات اپنی ”خود نوشتہ سوانح حیات“ میں لکھے ہیں۔ شاد کو کے ہاں تحقیقات کے سلسلے میں وہ جیس گیا تھا۔ ایک سال کے موسم بہار کی یاد اسے کبھی کبھی آیا کرتی۔ اس کا کہنا ہے۔ ”مجھے اب تک وہ دن یاد ہے جب بہار کے موسم میں نوجوان مرد اور عورتوں کا ایک گروہ میرے سامنے سے گزرا۔ میں ایک سیرگاہ میں بیٹھا تھا۔ یہ لوگ چلتے چلتے رک جاتے اور سب کے قدم خود بخود قدموں پر گرتے۔ اس کا سبب محض اُن کا شباب اور موسم بہار۔“ فرمائے کے طالب علمی کے زمانے میں ہر سال بہار آتی اور گزر جاتی مگر وہ حقائق کے تلاش میں اتنا سرگرداں رہتا کہ اُس سے کبھی بہار کا لطف اُٹھانے کا موقع ہی نہ میسر آیا۔

المانوی فلاسفر شوپن ہار کا کہنا ہے کہ ”غیر معمولی باتیں عام الفاظ میں کہو۔“ فرمائے کا بھی یہی دستور تھا۔ وہ باتوں باتوں میں بڑے بڑے اوق مسائل سمجھا دیا کرتا۔ اُس کے الفاظ معمولی ہوتے جن میں آتش بیانی اور شعلہ نوائی نام کو نہ ہوتی۔ وہ عام الفاظ میں حقائق بیان کر کے ہر مسئلے کے بنیادی اصولوں کو پوری طرح چھان چھانک کرتا خواہ وہ مسلمات ہی کیوں نہ ہوں۔ اپنے نتائج بیان کرنے میں وہ بہت احتیاط سے کام لیتا۔ اُس نے ہمیشہ ہر نظریہ پختہ بنیادوں پر استوار کیا۔ وہ دوسرا قدم اُس وقت تک نہ اٹھاتا جب تک پہلے قدم کی راہ میں سے رکاوٹیں صاف نہ ہو جاتیں۔ ایک بات پر جس قدر اعتراضات وارد ہو سکتے تھے خود انہیں اٹھاتا اور اُن کے جواب دے کر

دوسری بات کہتا۔ جب وہ انکا اپنی کوئی بات غیر موقع سامنے لاتا تو سننے والا یہی سمجھتا کہ اس کا آنا لازمی تھا۔ اور جب کوئی دلیل اور دھوری چھوڑنا پڑتی تو وہ سامعین کو بتا دیتا اور پھر جب اس کا موقع محل آتا تو اسے پورا کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے سننے والے مشکل ترین مسائل کو بھی اچھی طرح سمجھ جاتے اور انہیں معلوم بھی نہ ہوتا کہ وہ ایک نئی اور دقیق سائنس کی تحقیقات میں حصہ لے رہے ہیں اور کسی چٹنی ورڈش کے بغیر تاج پر جا بیٹھتے۔ اُن میں سے اکثر نظریات ایسے بھی ہوتے جن کے متعلق اُن کے پہلے خیالات اور تاثرات انہیں دل و جان سے عزیز ہوتے تھے۔

وی آ نکا میں فرانز نے عمر کا کافی حصہ ایک مکان میں گزارا۔ جس بازار میں یہ مکان واقع تھا وہ تاحصار ہونے کے علاوہ متضاد دنیاؤں کا مجموعہ تھا بازار کے ایک طرف کباڑیوں کی دکانیں تھیں اور دوسری طرف گاتھک فن تعمیر کا نمونہ وہ گر چا جو وی آ نکا میں سب سے خوب صورت تھا اسی وجہ سے یہ جگہ وی آ نکا کا خوب صورت ترین مقام تھا۔ پاس ہی یونیورسٹی اور دوسری سرکاری عمارتیں ایسا وہ تھیں۔ بازار کے دونوں سروں کے مابین کہیں ٹیپ تھا اور کہیں فرانز۔ فرانز کے مکان کا نمبر 19 تھا اور یہ نہایت ہموار جگہ پر واقع تھا اور کباڑ منڈی سے نزدیک بھی تھا۔ ویسے ارد گرد کے علاقے میں کافی شریف لوگ رہتے تھے۔ پہلے پہل فرانز کا دفتر چلی منزل میں تھا اور اس کی رہائش دوسری منزل میں۔ لیکن بعد میں دفتر اور رہائش کا انتظام دوسری منزل میں ہی کر لیا گیا۔ دونوں میں اندر سے آنے جانے کا راستہ تھا لیکن بیرونی دروازے متضاد سمتوں میں کھلتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ ملاقاتی ایک دروازہ کی گھنٹی بجاتا اور جواب میں دوسری جانب کا دروازہ کھلتا۔ اسی مکان میں پہلے فٹ کز و کزن ایئر رہا کرتا تھا جو آسٹریا کی خوشحال ڈیموکریٹک پارٹی کا بانی تھا اور پہلی عالمگیر جنگ کے بعد قسطنطنیہ سے فرار ہو کر آئے تھے۔ یہ بھی پہلی جنگ عظیم کی ایک مشہور شخصیت تھی۔ (Nursety) والا کمرہ فرانز کے مطالعہ کا کمرہ تھا۔ یہ بھی پہلی جنگ عظیم کی ایک مشہور شخصیت تھی۔ اس نے آسٹریا کے وزیر اعظم کونٹ (Sturgkh) کو قتل کیا۔ جس پر اسے چھ ماہ کی سزا دی گئی لیکن بعد میں اسے عمر قید سے بدل دیا گیا اور صلح ہو جانے کے بعد اسے آزاد کر دیا گیا تھا۔

فرانز کے دفتر میں سب سے پہلے ایک چھوٹا سا تاریک چٹن کمرہ تھا اور اس کے ساتھ تین بڑے کمرے دو بیٹنگ روم مشورے کا کمرہ اور اس کے پیچھے لائبریری ہر ایک کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی جو گھر کے گھن میں کھلتی تھیں کے وسط میں ایک خوب صورت اور بلند درخت آگ رہا تھا۔

ان کمروں میں روشنی یا دھوپ زیادہ نہیں آتی تھی۔ ان کی آرائش بھی متوسط طبقے کے پرانے مذاق کے مطابق کی گئی تھی۔ جس میں جدت کا مضمر مفقود تھا۔ لائبریری میں جاتے ہی ایک رعب چھا جاتا دھاروں کی جگہ الماریاں تھیں جو کتابوں سے بھری تھیں۔ شیشے کے کیمس تھے جن میں فرائڈ نے تادرات جمع کر رکھے تھے۔

تجزیہ نفس کی مجلس کا کام چونکہ بڑھ گیا تھا۔ فرائڈ نے یہ کام اپنے ایک رفیق ڈاکٹر الفریڈ ایڈلر کے سپرد کر دیا۔ وہ اس مجلس کا صدر تھا۔ فرائڈ اور ایڈلر اپنی تحقیقات میں مصروف رہے اور تجزیہ نفس میں بہت سی نئی باتوں کا اضافہ ہوتا گیا لیکن آخر کار ایڈلر اور فرائڈ میں اختلاف رونما ہو گیا۔ چنانچہ تجزیہ نفس کی مجلس میں کھلے طور پر یہ اختلاف پیش کئے جاتے اور ان پر خوب گرم بحث ہوا کرتی۔ فرائڈ ان بحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور اپنے مخالفین کو آڑے ہاتھوں لینے سے بھی گریز نہ کرتا۔ ان بحثوں میں اس نے بارہا سخت الفاظ اور چست فقرے بھی کہے مگر کبھی علمی بحث کو ذاتیات کی سطح پر نہ اترنے دیا۔ بلکہ عموماً ایسے متنازعہ فیہ مسائل میں اصولوں کی جگہ فردیات لے لیتے ہیں۔ لیکن فرائڈ کبھی اصول سے نہیں ہٹتا تھا۔ فرائڈ اور ایڈلر کے اختلافات ”بچے میں جنس کی موجودگی“ دہاؤ (Repression) اور لاشعور کے مسائل میں تھے۔ ایڈلر کا ان اہم مسائل سے انکار تجزیہ نفس کے بنیادی اصولوں سے انکار تھا اور اس لئے ایڈلر کو اس تحریک سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ تجزیہ نفس کی تحریک میں یہ اختلاف بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ کئی لوگ تجزیہ نفس کے جتنے سے کٹ کر ایڈلر سے جا ملے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو محض اس لئے فرائڈ سے علیحدہ ہو گئے۔ کہ ان کے خیال میں جس طریق سے اس بحث کا اہتمام ہوا تھا وہ ”سائنس کی آزادی“ ایک کاری ضرب تھا۔ گویا یوں انہوں نے فرائڈ کی تلخ کھای اور سخت گیری کے خلاف احتجاج کیا۔ اب اس تحریک میں وہ گروہ بن گئے ایک فرائڈ کے پیرو اور دوسرے ایڈلر کے ساتھی۔ اس نئے گروہ نے اپنا نام (سوسائٹی فار فری سائیکالوگیکل اسیسز) آزاد تجزیہ نفس کی انجمن لیکن یہ نام بعد میں ترک کر دیا گیا اور اس کی بجائے ”انفرادی نفسیات“ (Individual Psychology) کا نام تجویز کیا گیا۔

اس اختلاف میں ”سائنس کی آزادی“ کا نعرو بلند کیا گیا تھا۔ فرائڈ اور اس کے پیروؤں کے نزدیک بھی یہ آزادی سلسلہ قہمی لیکن ان کا کہنا تھا کہ سائنس دان تحقیقات پر بحث کر رہے ہوں تو یہ اسی صورت میں بار آور ہو سکتی ہے۔ جب وہ بنیادی اصولوں پر متفق ہوں۔ زیر تحقیق مسئلہ جتنا

اہم ہوگا اسی قدر تصورات کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا اور اس میں مکمل ہم آہنگی کی زیادہ ضرورت ہو گی۔ سائنس کے نظریات کو جب مسلمات کا دھندلے دیا جائے تب بھی اُن کی مزید تحقیقات اور چھان بین ہونی چاہیے لیکن آزادی اس کا نام نہیں کہ ایک جماعت کسی سائنس میں اپنے نظریات کی تشکیل کرتے کرتے ایسا ایسا کرے۔ پھر نئے سرے سے کام شروع کر دے اور پہلے تجربات کے نتائج کو سرے سے عمل نظر قرار دے۔ چاہیے تو یہ کہ وہ آگے بڑھیں یہ نہیں کہ اور پیچھے ہٹ جائیں۔ چنانچہ جب کبھی ایسے حالات رونما ہوں اور وہ خاص نکتہ جس پر اُن کا اشتراک ہوا تھا قابل قبول نہ رہے تو اس کے بہترین طالع بھی ہے کہ وہ لوگ جدا ہو جائیں۔ اگر وہ خود بخود الگ نہ ہوئے تو جو لوگ اپنی تحقیقات کو آگے لے جانا چاہتے ہیں اور جن کا کام خراب بخراہی نئی رکاوٹوں سے انکسار میں پڑ رہا ہے۔ مجبوراً انہیں الگ کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ یہ نہ تو خیالات کی آزادی میں کوئی مداخلت بھی ہے اور نہ اسے صداقت کی تحقیقات میں کسی قسم کی رکاوٹ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ”علم کے درخت“ سے ثمر حاصل کرنے کے خواہاں اگر اس بات پر متعلق نہ ہو سکیں کہ درخت ہے کہاں تو اُن کے اکٹھا ہونے کا فائدہ۔ لطف یہ ہے کہ جب آزادی کے ان دعویداروں نے اپنا نیا دبستان قائم کر لیا تو اُن کا اصول بھی یہی تھا کہ وہی لوگ شامل ہوں جو اُن کے ہم نوا تھے۔ اختلاف رائے لوگوں کو وہاں بھی جگہ نہ دی گئی۔ حالانکہ اسی اصول کی خاطر وہ خود طہید ہوئے تھے۔

فرائڈ کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں ایک بات نظر آتی ہے کہ عہدے سنبھالنا اپنی لہذری قائم کرنا اور نمایاں پوزیشن پر سامنے آنا اُس کی میلان طبع کے خلاف تھا۔ وہ لوگوں کو دل سے پسند کرتا تھا جو محض تجزیہ نفس کی خاطر اس کے گرد جمع ہوتے اس کے خیالات کو اپناتے اور ان میں حصہ لیتے جو لوگ اندھی تقلید کے حامل تھے اور محض اس کی شخصیت سے متاثر ہوتے وہ انہیں پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے ایڈلر کو سوسائٹی کی صدارت سونپ دی۔ یہ ایک غلطی تھی اور ایڈلر کے بعد اُس کا اعادہ کیا گیا اور ڈیگک کو اس بین الاقوامی مجلس کا دوسرا صدر بنادیا گیا۔

فرائڈ کا کمال یہ تھا کہ وہ ذرا سی بھول زبان کی لغزش الفاظ کے منتقل سے ساری ”اُن ہوئی“ باتیں جان جایا کرتا تھا۔ وہ شخص خود نہ جان سکتا تھا جس کے ذہن میں وہ ساری باتیں مدفون ہوتیں۔ لیکن ایڈلر اور ڈیگک کے انتخاب میں اُس نے دوبارہ اپنی بڑی غلطی کھائی۔ وہ شخص جس کے سامنے ذہن کے عقلی دروازے خود بخود کھل جاتے تھے اپنے متعلق اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ

”ذہن چھنے والا“ نہیں ہے۔ اُس کی شخصیت کا یہ پہلو واقعی دلچسپ ہے۔ فرائنڈ معمولی سی علامت سے کسی کی ذات اور پوشیدہ حقیقت کو اچھی طرح جان لیتا تھا اور اُس سے اُس شخص کی شخصیت کو بلند یوں پر لے جاتا اور وہاں سے اُس کا مطالعہ کرتا۔ یہ وہ مقام ہوتا جہاں ایک عام ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ اُسے ذہن میں جذبات کی سرگرمی قوت عقل اور بلند دھالا مقاصد نظر آتے۔ حالانکہ اُس ذہن میں صرف اُن کا شائبہ ہی ہوا کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے دوبار قلعہ کھائی۔ وہ اڑہان کو قوتوں کی جانتا تھا وہ اُن کو اُس رنگ میں دیکھتا جو اُن کا فطری مقام ہونا چاہیے۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔

ان اختلافات اور علیحدگیوں کے بعد فرائنڈ نے اپنا حلقہ بہت محدود کر دیا جب اُس نے دیکھا کہ تجزیہ نفس کی تحریک میں شامل ہونے والوں میں حدود کا بہت خشک وشبہ اور محدود کی خواہش موجود ہے تو خشک آ کر اُس نے حلقہ اور محدود کر دیا۔ اب صرف دو شاگرد رہ گئے۔ جو اُس کے کام میں مدد دیتے۔ ان میں سے ایک ہنس ساخس (Hans Sachs) تھا اور دوسرا اُٹو رینک (Otto Rank)۔ ہنس آ رینک فرائنڈ سے وفادار رہا لیکن رینک نے بھی بعد میں طغیان کی اختیار کر لی۔ اُس نے اپنا ایک نیا نظریہ قائم کیا تھا۔ جب تک وہ فرائنڈ کے ساتھ رہا۔ اُس نے کافی بڑا کام کیا۔ تجزیہ نفس کے مسائل کی ترتیب میں یہ دونوں شامل رہے۔ پھر ان دونوں نے مل کر تجزیہ نفس کے عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے ہوئے ایک کتاب بھی شائع کی جس میں جی بی باتمس بیان کی گئی تھیں۔ رینک پر فرائنڈ کو بہت زیادہ اعتماد تھا لیکن اُس نے ہکا یک ایک ایسا نظریہ پیش کر دیا۔ جس نے اُس کی زندگی بھر کے کام پر پانی پھر دیا۔ فرائنڈ کو اپنے اس معتقد کو بھی جدا کرنا پڑا۔ رینک اس محدود حلقے کا تکبر فری تھا اور سارے کاروبار کا کرتا دھرتا۔

فرائنڈ زیادہ چلتے پھرنے سے ہمتا نہیں تھا۔ تجزیہ نفس کی سوسائٹی کی مجالس کے بعد معمولاً وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ پیدل چل کر خاموش گلیوں کے چکر کاٹا مگر پہنچتا۔ اس دوران میں وہ باتیں زیر بحث آتیں جن پر مجلس میں ہر سی طرح بحث نہ ہو سکتی تھی۔ کئی باتوں پر دوبارہ غور کیا جاتا۔ وہ اکثر اسی سیر کے دوران میں اپنے نئے نظریات جاتا تاخیالات کا ذکر کرتا۔ ان میں سے بہت سی باتیں تو اُس نے اپنی کتابوں میں محفوظ کر دی ہیں لیکن کئی باتیں ایسی تھیں جنہیں اُس نے بعد میں رد کر دیا کیوں کہ مزید چھان بینک میں وہ معیار پر ہر سی تاثر تھیں۔ جب وہ کوئی نئی بات دریافت

کرتا تو اُس کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں نئے نئے سوالات پیدا ہوتے۔ وہ عمر بھر مضطر پاشا گے
 بڑھتا رہا۔ اُس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا۔ جب وہ ایک مقام پر آ کر رک گیا ہو اور
 اُس کے خیالات میں سکون آ گیا ہو۔ اطمینان بالذات کا عنصر تو اُس کی فطرت ہی میں نہیں تھا۔
 خواب کی تعبیر پر اُس نے بہت زور دیا ہے۔ کیوں کہ انسان کے لاشعور کو سمجھنے کے لئے
 بھی سب سے اہم چیز ہے۔ چنانچہ وہ تجزیہ کار کی پالنگ نظری کا اندازہ اُس کے خواب کی تعبیر
 کرنے سے لگایا کرتا تھا۔ وہ تجزیہ نفس کی حقیقتات کے دوران میں خواب کی تعبیر کو پس منظر میں
 رکھنے کی تلقین کرتا۔

شام کی یہ سیریں اُس کے ساتھیوں کے لئے نعت تھیں۔ انہیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی
 رہتیں جو اُس کی تحریروں میں بھی نہیں تھیں۔ اس کا یہ ”محدود اندرونی حلقہ“ اس کے ارشادات
 حقیقتات اور تجربات سے براہ راست متاثر ہوا۔ یہی لوگ تجزیہ نفس کی عمارت کے ستون تھے۔

۳

فرائض کی زندگی کا تانا بانا تجزیہ نفس کے تاروں سے بنا گیا تھا۔ جب ہم اُس کی زندگی کو مجموعی طور پر دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ طب کی مختلف شاخوں میں اُس نے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ نئی نئی معلومات، بیم پہنچائیں ہیں لیکن یہ سب کچھ محض تجزیہ نفس کے ارتقاء کی کڑیاں تھیں۔ تجزیہ نفس ہی فرائض کی زندگی کا اصل محور تھا اور وہ اُس کے گرد گھوما کیا۔ قلب نما کی سوئی تھر تھراتی ضرور ہے لیکن اُس کا رخ ہمیشہ قلب کی طرف رہتا ہے۔ فرائض ہمیشہ ایک مقولہ رہا کرتا کہ ”انسان اسی وقت بلند ہوتا ہے جب وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔“ یہ حقیقت خود اُس پر اچھی طرح صادق آتی ہے۔

اُس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جب وہ کسی نئے نظریے کی دریافت پر کمر بستہ ہوتا تو اپنے مطالعہ کو اور بھی وسیع کر دیا کرتا۔ اپنی کتاب ”خواب کی تعبیر“ کے سلسلے میں اُس نے نفسیات اور فلسفہ کے نئے اور پرانے مصنفین کا نہایت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جس کا ذکر اُس کی اس کتاب میں موجود ہے۔ جب اُس نے مزاج اور لاشعور کے تعلق (Wit and its Relation to Unconscious) پر قلم اُٹھایا تو بحالیات اور فلسفیانہ مضامین پر کتابوں کے ڈھیر اُس کے سامنے رکھے رہتے تھے۔ اُس نے دنیا کے مشہور مزاج نگاروں کی تحریریں پڑھا لیں اُن سے مواد اکٹھا کیا اور پھر اپنے نظریے کو مکمل صورت دے کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ”تو تم اور تہو“ (Totem and Taboo) پر لکھنے کے لئے اُس نے دنیا بھر کے ماہرین انسانیات کی کاوشوں کو کھنگالا۔ ”اصول لذت کے پرے“ (Beyond the Pleasure Principle) ایک ایسا نظریہ تھا جسے ثابت کرنے کے لئے اُسے حیاتیات کی مدد لینا پڑی اور اُس نے اس سائنس میں جس قدر نئی تحقیقات ہوئی تھیں اُن سے فائدہ اُٹھایا اور ”گروہ کی نفسیات“ میں وہ مہر انیات کے دائرہ میں پہنچا۔

یہ سارے موضوعات جن کا ذکر ابھی ہم نے کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسری دلچسپیاں جو اس نے بعض تفریحی طور پر شروع کی تھیں ان کا انجام بھی تجویز یہ نفس کے کسی گہرے مسئلے پر ہوا۔ اس ایک کی مثال سنئے۔ فرانز کبھی خمیز و یکسے نہیں جانتا تھا۔ لیکن جب مشہور یونانی ڈرامہ نگار سوفوکلز کا ڈرامہ "بادشاہ ایڈیپس" دی آئینہ دکھایا گیا تو وہ بھی دیکھنے گیا۔ دوسرے دن اس کے اندر ایک نیا دلولہ اور جوش نظر آتا تھا۔ اس کا باعث اداکاری تھی اور نہ ہدایت کاری کہ وہ ان سے متاثر ہوا ہو بلکہ اس گرم جوشی کا سبب ایک منظر تھا جس کا انکشاف اس پر ڈرامہ دیکھتے وقت ہوا حالانکہ اس سے قبل بھی اس نے یہ ڈرامہ پڑھا تھا۔ یہ منظر ایک خاص نفسیاتی کیفیت سے تعلق رکھتا تھا۔ وہی ہوئی خواہشات ہمیشہ ذہن کی شعوری سطح پر واپس آتی ہیں لیکن ایسا روپ بدل کر کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا۔ کھیل کے بیروں کو دارالاستحارہ سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کرے گا تو وہ پریشان ہو گیا۔

لیکن جب اسے یہ اطلاع ملی کہ اس کا نامور باپ فطری موت مر گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کا حقیقی باپ نہیں مرا بلکہ وہ بادشاہ مر گیا جس نے اسے لے کر پالا تھا اور جسے ایڈیپس اپنا باپ خیال کرتا تھا تو اس کے ذہن سے چیٹکنی کا بوجھ اتر جاتا ہے اور اس کا نتیجہ ایک ایسا رد عمل ہوتا ہے جس میں فتح اور شادمانی ہے اور اس پر ایڈیپس اپنے باپ کی موت پر غرضی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بہت بڑی نفسیاتی حقیقت تھی جس کا اظہار مصنف نے لاشعوری طور پر کر دیا تھا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فرانز کے ذہن پر ایک مستعدانہ خیال حاوی تھا جو اپنے نظریات کی تائید میں ثبوت تلاش کرتا رہتا۔ وہ خود بھی اس خیال سے آگاہ تھا اور اسے ہر بڑے سے بڑے نظریے کے معرض وجود میں لانے کے لئے ضروری خیال کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق وہ کہتا ہے۔

"جب میں جنرل ہسپتال میں کام کرتا تھا تو میرے ساتھیوں میں میرا ایک دوست دن رات اس دمن میں لگا رہتا کہ آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں وہ کوئی نئی دریافت کرے۔ جب بھی ہم لوگ کوئی نئی بات یا طبی مسئلہ زیر بحث لاتے۔ اس کے خیالات فوراً آنکھوں کے بیماریوں کی طرف جاتے اور وہ اسی کے بارے میں سوالات شروع کر دیتا۔ اپنے اس خیال کی وجہ سے وہ ساتھیوں پر ایک بوجھ بننے لگا۔ ایک دن میں ہسپتال کے صحن میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھڑا

تھا اور ہمارا خطیلی دوست بھی وہیں موجود کہ ہمارا ایک فور ساتھی ادھر سے گزرا اور اُس نے اشارے سے بتایا کہ وہ ناقابل برداشت درد میں مبتلا ہے۔ میں فوراً اُسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ میں نے ایک دوائی کے چند قطرات درد دوائی جگہ پر لگائے اور درد آفاقا جاتا رہا۔ میں نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ یہ دوائی جنوبی امریکہ کے ایک درخت کوکا (Coca) کا جو ہر تھا اور اس میں ایسی تاثیر تھی کہ اس کے لگانے سے درد فوراً رفع ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی بتایا کہ میں اس پر ایک تحقیقاتی مقالہ لکھ رہا ہوں۔ ہمارا خطیلی دوست یہ باتیں سنکار ہاور کچھ نہ بولا۔ اس کا نام کولر (Koller) تھا۔ چند مہینے بعد میں نے سنا کہ اُس نے کوکین کے استعمال سے آنکھ کی جراحی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ وہ اپریشن جو کبھی ناممکنات میں سے تھا۔ اب آسانی سے کیا جانے لگا۔ کسی نئی ایجاد یا دریافت کے معلوم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ انسان کی ساری توجہ ایک ہی بات پر مرکوز ہے۔“

فرائض زندگی بھر اسی اصول پر کار بند رہا۔ اس سے اُس کے سامنے زمین اور آسمان کی وسعتیں کھل گئیں۔ اُس نے ایک نئی کائنات پائی۔ فرائض نے جو اصول بیان کیا وہ اس پر کار بند رہا۔ اُس کی زندگی کا سرسری مطالعہ شاید اس میں جذبات کا فقدان ظاہر کرے۔ کیوں کہ وہ بڑے بڑے الفاظ میں جذباتی اعلاات نہیں کرتا بلکہ وہ تو ایک مدغم می لو ہے جو مسلسل چلتی رہی ہے۔ ہر اصول کی پابندی چند سخت قیود لگاؤتی ہے۔ یہی حال فرائض کے اصولوں کا تھا جنہیں خود فرائض نے برضا و رغبت اپنے آپ پر مسلط کر رکھا تھا جو لوگ اس کے ارد گرد تھے ان اصولوں پر پوری طرح کار بند رہتے۔ اُس کے دوستوں نے اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال لیا۔ جو فرائض نے اپنے لئے تیار کر رکھا تھا۔

فرائض کی ذاتی کامیابی کا ایک اور ثبوت اُس کی گھریلو زندگی ہے۔ اُس کے خاندان کے افراد۔۔۔ اس کی بیوی، رسالی اور بچے سب کے سب اُس کے محدود حلقے میں شامل ہو گئے۔ شروع شروع میں فرائض کا کاروبار خوب چمکا لیکن اُس نے اپنا سارا کاروبار تجزیہ نفس کی قربان گاہ پر چڑھا دیا۔ اس کے خاندان کا سارا انحصار اُس کی اسی آمدنی پر تھا۔ جوں جوں اُس کا کتبہ بڑھتا گیا (دس برس میں چھ بچے پیدا ہوئے تین لڑکے اور تین لڑکیاں) اُس کی آمدنی کم ہوتی گئی۔ جس سے اُن کا مستقبل بہت کمزور امید رہ گیا۔ وہ لوگ جو فرائض کے خاندان کو جانتے تھے۔ فرائض کی بیوی کی قسمت

پرفوس کیا کرتے کہ اُس کا خاوند ایک کامیاب ڈاکٹر تھا اُس کا اتنا چھاکا روہا تھا لیکن ایک ایسی جانی اُسے کیا ہو گیا۔ ترقی کر کے طب میں نام پیدا کرنے کی بجائے وہ اُلٹے راستے پر چل نکلا ہے۔ فرائڈ پر اُس کی بیوی کا استحوا کی مٹر لڑل نہیں ہوا۔ ابھی فرائڈ کی تصانیف شائع نہیں ہوئی تھی کہ اُس کی بیوی اُسے ایک بہت بڑا انسان جانتی تھی۔ یہ ایک بڑی شہادت ہے۔ ماں کے اس ظلم میں بچے بھی شامل تھے۔ جب بھی وہ اپنے باپ کا نام لیتے یا اُس کا ذکر کرتے تو ان کے لب و لہجے میں ایک احرام پایا جاتا۔ فرائڈ اور اُس کی بیوی کے دوست اکثر بچوں کے اس لب و لہجے کا مذاق اڑایا کرتے۔ ایک بار ایک بچہ تھوڑے عرصے کے لئے کہیں باہر رہا۔ جب وہ واپس گھر آیا اور اپنے بھائی سے ملا تو اُس نے سب سے پہلے باپ کا ذکر کیا ”ابا اب نیلی پیالی کی بجائے سبز پیالی میں چائے پیتے ہیں۔“ فرائڈ کی زندگی کا محور اُس کا کام تھا اور سارے خاندان کی زندگی کا محور فرائڈ کی ذات۔

ہر بڑے انسان کی بڑائی میں اس کی بیوی کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ یہی مسئلہ یہاں بھی نظر آتا ہے۔ فرائڈ کی بیوی مار تھا ایک اطاعت گزار اور وفا شعار بیوی تھی۔ گھر کی صفائی اور ترمیم کا بڑا خیال رکھتی۔ کیا مجال جو اس میں ذرا بھر فرق آنے پائے۔ اس کے ساتھ ایک اور صفت ایسی تھی جو ایسی بہت کم عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ گھر کے نوکر چاکر اُس سے بہت خوش تھے۔ اُس کے ہاں جو بھی نوکر آتا برسوں تک رہتا۔ اُن کی ایک خادمہ امریکہ سے اُس کی بڑی لڑکی کی شادی میں شمولیت کرنے آئی۔ بڑے دنوں میں وہ اپنے سارے نوکروں اور اُن کے لواحقین کو باقاعدہ تحائف بھیجا کرتی۔

تیم فرائڈ اور اُس کی بہن مینا کشیدہ کاری کے فن میں مشہور تھیں۔ وہ دھماکے کے ذریعے اعجاز پیدا کرتیں۔ اُن کا کام اُن کے حلقے میں کافی شہرت پائی تھا جنگ کے دوران میں جب سگار کی قلت ہو گئی۔ ان دونوں خواتین نے اپنا بہت سا کشیدہ کاری کا کام اُس تھا کو فروش خاتون کے نزد کر دیا جس سے فرائڈ سگار خریدتا تھا۔ تاکہ وہ اُسے راشن سے زائد سگار دیا کرے۔

فرائڈ اپنے کنبے کا اگرچہ سردار تھا لیکن وہ اُس کا ایک حصہ بھی تھا۔ وہ اُن سے الگ تھلک نہیں رہا کرتا تھا۔ اگرچہ اُس کی زندگی کا مقصد وحید اپنا کام اور تحقیقات بن چکا تھا لیکن اس کے دل کا کنبہ کا ایک حصہ ہمارا۔ گھر کا باجول بہت پر سکون اور دوستانہ تھا۔ نیچے اُسے اپنا

(Deer Papa) کہہ کر نکارتے۔ خواتین سگی (سگنڈ کا مخفف) کہتیں اور دوستوں اور شاگردوں میں پروفیسر کے نام سے یاد کیا جاتا۔ حالانکہ فرائڈ بھی پروفیسر نہیں بنا۔ یہ قصہ بھی قابل ذکر ہے۔ اس کا بیان اُس نے خوابوں کی تعبیر کے سلسلے میں کیا ہے۔

فرائڈ نے شروع شروع میں اعصابی بیماریوں کے سلسلے میں نئی تحقیقات کی تھیں ان کے پیش نظر یونیورسٹی اور کی سفارش اور وزیر تعلیم کی منظوری سے اُسے یہ مقام حاصل ہو گیا کہ وہ یونیورسٹی میں لکچر دے سکتا تھا۔ یہ عزت یونیورسٹی فیکلٹی کے ممبروں اور پروفیسروں کو سی ہو سکتی تھی۔ فرائڈ کے لئے ایک عزت افزائی غیر متوقع تھی۔ کیوں کہ ایک تو اُس کی سفارش کوئی نہیں تھی دوسرے وہ یہودی تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُسے یہ عزت مل گئی۔ یہ عزت کیسی ملی۔ اس کا قصہ کافی دلچسپ ہے۔

آسٹریا کا وزیر تعلیم جس کا نام ہارل تھا۔ ایک دن وی آٹا کے ایک امیر گھرانے کے ہاں مدعو تھا۔ گھری مالک نے جو فرائڈ کے زیر علاج تھی اُس کی عزت افزائی کی خاطر اُسے اپنے ہاں کی تصویروں کی گیلری دکھلائی شروع کی۔ وزیر تعلیم کو سوئٹ لینڈ کے مصور آرٹلڈ بوائیکن کی ایک تصویر پسند آگئی۔ اس زمانے میں یہ مصور بہت مشہور تھا۔ وزیر تعلیم کے زیر اہتمام حکومت کی طرف سے بھی ایک آرٹ گیلری تیار کی جا رہی تھی۔ بوائیکن کی تصویر کے بغیر یہ گیلری مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وزیر تعلیم نے اس تصویر کو مانگ لیا۔ مالک نے مذاق میں جواب دیا کہ اگر فرائڈ کو ”پروفیسر“ کا اعزاز بخشا جائے تو وہ تصویر دے دینے کو تیار ہے۔ چنانچہ یہ سودا چکا ہو گیا۔

اس نئے اعزاز سے فرائڈ کے علمی سرے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ صرف ایک اعزاز تھا۔ اُسے نئی فیکلٹی کے حقوق ملے اور وہ اُس کا ممبر بن گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب فرائڈ کا نام چارواک عالم میں پھیل کر شہرت حاصل کر چکا تو حکومت نے نہایت ذمیت سے اُس کو ”پروفیسر“ کا خطاب دیا۔ جس کی حیثیت اعزازی تھی اُس وقت اُس کی عمر ستر برس کی تھی اور وہ اپنی تحقیقات میں اس قدر مصروف تھا کہ اُس نے اس جانب توجہ ہی نہ کی۔ یہ کتنی بڑی ختم طریقہ ہے کہ وہ جتنا روزگار محقق جس نے ایک نئے سائنس کی بنیاد رکھی اور جو ساری دنیا کا استاد تھا ”سے اپنے وطن میں“ پروفیسر“ کے پورے حقوق بھی حاصل نہ ہو سکے۔

فرائڈ نے اپنے تئیں تدریسی مصروفیات سے الگ رکھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس طرح اس

کا وقت فضول بحثوں اور غیر ضروری مصروفیات میں ضائع ہو گا۔ اس نے جس مقصد کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی وہ اور تھا اور یہ یورپی کی مجالس میں جو کاروبار ہوتا تھا بالکل اور نوعیت کا تھا۔ وہ ہاتھ جو اس کی زندگی کے مجوزہ ڈھانچے میں نہیں آتی تھیں اس نے انہیں زندگی سے بالکل خارج کر دیا تھا۔ ملاقاتیں رکھی میل ملاپ اور دعوتیں تو گویا اس کے لئے ان جانی چیزیں تھیں۔ لیکن جہاں تک اس کے دوستوں کا تعلق تھا۔ جب بھی انہیں مدد یا مشورہ کی ضرورت پیش آتی وہ کبھی در پیغ نہ کرتا۔ اپنا کام چھوڑ کر بھی ان کی ہاتھیں سنتا۔ ان میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ انہیں دیکھنے جاتا۔ ساری زندگی میں شاید ہی کبھی وہ کسی سوشل اجتماع میں چندہ منٹ سے زیادہ دیر ٹھہرا ہو۔ قہیز میں اس نے جو چند شامیں گزاری ہیں وہ مستحیثات سے ہیں۔ وہ صرف ٹیپیکر کا ڈرامہ "ہمسلٹ" اور سفا کلیز کا ڈرامہ بادشاہ ایلی ہی پس دیکھنے گیا۔ اتوار کے روز وہ اکثر غائب گھر چلا جاتا۔ آثار قدیمہ کے تاورات خصوصاً وہ نواور جو مصر سے آیا کرتے تھے وہ ضرور دیکھتا کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ اس کا کوئی پرانا دوست آگیا تو دونوں مل کر تاش کا ایک کھیل جو وی آکا میں بہت مقبول تھا کھیلنے لگے۔ وہ اس کھیل میں بہت مشاق تھا اور اس نے اس کھیل میں چند ایک ہاتھیں ایذا بھی کی تھیں۔

فرانز کی مصروفیات کا اندازہ اس کے کام سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے ایک ساتھی اور شاکر نے لکھا ہے۔ "وہ صبح نو بجے سے ایک بجے دوپہر تک مریضوں کو دیکھتا۔ پھر دوپہر کا کھانا کھنے کے ساتھ مل کر کھاتا۔ اس کے بعد عموماً ایک گھنٹے کے لئے بازار چلا جاتا۔ تجارت ہوتا۔ کتب فروشوں، سگار کی دکان سے خرید و فروخت کرتا کباڑیوں کے ہاں سے آثار قدیمہ کی چیزیں تلاش کیا کرتا۔ اس کے بعد ایک گھنٹہ ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو خصوصیت سے مشورہ لینے آتے۔ اس کے بعد پھر مریضوں کا تانا باندھ جاتا اور یہ سلسلہ سات سات سے سات بجے شام تک جاری رہتا اپنے پروگرام پر وہ بڑی سختی سے کار بند رہتا لیکن اس میں کبھی کبھی تنوع بھی پیدا کر لیا جاتا۔ دوپہر کو گھر میں آکر اسے ایک گونا گون مسر آتا۔ وہ کیتا دن کا پہلا حصہ تو ختم ہو گیا۔ بارہا اس نے اندر داخل ہوتے ہی ایک عجیب قسم کی آواز نکالی جیسے کوئی فرار ہا ہو۔ عموماً یہ سب سے چھوٹی بچی کی خاطر ہوا کرتا تھا۔ شام کے کھانے کے بعد وہ اپنے اسٹوڈیو میں چلا جاتا۔ بدھ کی شام کو تجزیہ نفس کی مجلس کا جلسہ آتا۔ ہفتہ کی شام اس کا نکھر ہوتا تھا جس کی تیاری وہ دوپہر سے کرنی

شروع کر دیتا۔ واپس آ کر عموماً ناش کی ہادی گنتی۔ کبھی کبھار شام کے بعد تجزیہ فلس کے رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کے مسودات دیکھے جاتے۔“

فرائض کے اسنوڈیو میں مجھے رکھے تھے دیوتاؤں کے مجھے بعض دیوتا تو جانوروں کی شکل کے تھے۔ کمرے میں۔ سگار کا دھواں بھرا رہتا۔ یہاں بیٹھ کر جب وہ اپنے خاص دوستوں اور شاگردوں سے گفتگو کرتا یا انہیں اپنے نئے مضامین سناتا۔ تو سننے والوں پر اس کا اور بھی اثر ہوتا۔ یہ شخصیں بڑی دلچسپ ہوا کرتی تھیں۔ کیوں کہ فرائض کی شخصیت اور کمرے کا ماحول مل کر یکہ اور ہی تاثر پیدا کرتے تھے۔ ان صحبتوں میں بڑی پر لطف باتیں ہوا کرتیں۔

شام کے بعد وہ اکیلے میں کام کرنے کا عادی تھا۔ کافی رات گئے تک بیٹھا پڑھتا اور لکھتا رہتا اور جو نئی وہ ستر پر دراز ہوتا سو جاتا ہر صبح ٹھیک وقت پر اس کی آنکھ کھل جاتی۔ یوں کہ میں بھی یہی وصف تھا کہ وہ جتنی قوتوں کو جب چاہتا کنھا کر لیتا اور جب چاہتا اُن سے کام لیتا شروع کر دیتا۔ یہ وصف بہت کم انسانوں میں پایا جاتا ہے۔

فرائض وقت کے معاملے میں بہت کفایت شعار تھا۔ کیا خیال جو بے فائدہ وقت ضائع ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اسے انتظار سے بہت نفرت تھی۔ فرائض کہا کرتا کہ۔ ”ایک گھنٹہ کو اگر لاکھوں برس دوزخ کی آگ میں جلایا جائے اور پھر اُسے وہاں سے نکال کر دوسرے کمرے میں اس لئے مٹھا دیا جائے کہ وہاں بیٹھ کر وہ آئندہ فیصلے کا انتظار کرے تو یہ انتظار آگ سے جلنے سے زیادہ تکلیف دہ عذاب ثابت ہوگا۔“

تقاضی بالذات انسانی فطرت کا نشان ہے۔ فرائض بھی کبھی کبھی وقت کے استعمال میں اسراف سے کام لیا کرتا اور یہ اس وقت ہوتا جب اُسے کہیں ریل سے جانا ہوتا۔ وہ وقت سے کافی پہلے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جاتا اور گاڑی کے آنے کا انتظار کیا کرتا۔

علی الصبح ناشتہ سے لے کر رات کے سونے تک وہ سگار چہنے کا عادی تھا کیا خیال جو ایک لمحے کے لئے سگار نوشی کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اس کا معمول تھا کہ وہ روزانہ بیس سگار چہتا۔ یہ سگار زیادہ لمبے نہیں ہوتے تھے اور نہ اُن کا تبا کو زیادہ کڑوا ہوتا۔ یہ اس تبا کو سے بنے ہوتے جو آسٹریا حکومت کے زیرِ قیام تھے۔ اُسے سگار نوشی کی عادت اس قدر زیادہ تھی کہ اگر اُس کے ارد گرد بیٹھنے والے سگار نہ پیئے تو وہ مجھڑا اٹھتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے محدود حلقے کے اراکین سب کے سب

سگار چہنے لگے بیماری کی وجہ سے اس کے اپریشن ہوئے ان کی وجہ سے مجبوراً اسے سگار چہنے میں کمی کرنی پڑی لیکن آخر وقت تک وہ سگار چہتا ضرور رہا۔

سال کے دوران میں وہ بار بار قہوڑے قہوڑے دنوں کا لئے چھٹیاں منانے کے قائل نہیں تھا۔ وہ یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ کام کے دوران میں وقفہ ڈالا جائے۔ بلکہ ہر سال وہ تین ماہ کے لئے سارا کاروبار بند کر دیتا اور جون سے لے کر ستمبر تک چھٹی مناتا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ہمراہ الپائن کی تفریح کا ہوں میں جایا کرتا۔ اسی چھٹی کے آخری ایام سفر کے لئے مخصوص تھے وہ اٹلی میں جا کر خوب خوب سیر کیا کرتا۔ اس سفر میں اس کا بھائی اور کبھی کبھار اس کا دوست اور پیرو فرنیسی (Ferencyi) ساتھ ہوا کرتا تھا۔

روم کی سیر کا اسے بڑا شوق تھا۔ لیکن کئی برس وہ وہاں نہ جاسکا۔ کیونکہ اسے خیال تھا کہ ستمبر میں وہاں طیریا کا خطرہ ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کا یہ خیال کئی اور خیالات کی طرح محض توہم پرستی پر مبنی تھا تو اس نے روم جانا شروع کر دیا۔ اس کا ذکر اس نے اپنی کتاب ”تعبیر خواب“ میں بھی کیا ہے۔ سیرز کا روم اور ثقافت الائنہ کا روم مہر بھراس کا محبوب ملک رہا۔ لیکن زندگی کے آخری ایام میں انھن نے روم کی جگہ لے لی۔

زندگی بھر اس نے جتنے بھی سفر کئے ہیں ان میں سے امریکہ کا سفر سب سے ناکام رہا حالانکہ جن حالات میں یہ سفر کیا گیا تھا وہ بہت سازگار تھے۔ کھارک یونیورسٹی نے فرائڈ کو دعوت دی کہ وہ وہاں آ کر ایک سلسلہ لکچروں کا شروع کرے اور یونیورسٹی کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر اعزازی ڈگری قبول کرے۔ یہ اعزاز اس زندگی میں پہلا موقع تھا جب اس کی دریا فٹوں کوٹزف قبولیت بخشا گیا۔ یونیورسٹی کے صدر پروفیسر جی سٹیلے ہال نے فرائڈ کی عزت افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ بھر یوسٹن میں پروفیسر ہٹ نام نے بھی فرائڈ کے خوب آؤ بھگت کی۔ پروفیسر ہٹ نام اگرچہ خود ”پیورینین“ فرقے سے تعلق رکھتا تھا جو اخلاق کا بہت خیال رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس نے ”معانی اخلاق“ تحلیل نفسی کی خوب مداخلت کی۔ سمندر کے سفر کے دوران میں اس کے ساتھ اس کے بہترین دوست فرنیسی جو نژاد اور ٹنگ موجود تھے۔ چنانچہ اپنے اس سفر کے بارے میں وہ اپنے خود نوشت میں لکھتا ہے۔ ”یورپ میں اپنے تئیں ایک اچھوت خیال کرتا تھا لیکن یہاں (امریکہ میں) میں نے دیکھا کہ بڑے سے بڑا آدمی مجھے اپنے برابر سمجھتا ہے۔ جب میں نے

پانچ کچھروں کا سلسلہ شروع کیا تو مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا کوئی بیداری کا نرالا خواب پورا ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ تحلیل نفسی اب کوئی سوہوم چیز نہ تھی بلکہ ایک مفید حقیقت بن کر سامنے آگئی تھی۔ "سفر کی ابتدا جس امید افزا طور سے ہوئی تھی۔ انجام اتنا ہی مایوس کن ہوا اور جب وہ اس سفر سے لوٹا تو اس کے ذہن میں جتنے تاثرات تھے ان سے وہ ایک پوچھ محسوس کر رہا تھا اور ان تاثرات نے اس تصویر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جو اُس نے امریکہ کے حلقہ تیار کی تھی۔ اس کا تاثر امریکہ کے بارے میں یہ تھا کہ "امریکہ ایک بڑا شکوہ تجربہ ہے جسے ساری دنیا نے دیکھا لیکن مجھے ڈر ہے کہ تجربہ کا مایاب نہیں ہوگا۔"

گر میوں کی چشموں میں وہ مریضوں کا علاج معالجہ اور ان کے معائنے کرنا بالکل بند کر دیا کرتا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے حالات بالکل بدل گئے اور سفر کرنا اس کے لئے تکلیف دہ ہو گیا اس کا کسی ایسی جگہ جانا جہاں کوئی ڈاکٹر موجود نہ ہو بہت خطرناک تھا۔ اب وہ گر میوں میں ٹیئر مین مدت کے لئے کسی قریب کے پہاڑی مقام پر چلا جاتا جہاں اس کے لئے ایک ایسا گھر کرایہ پر لیا جاتا جس کے ساتھ باغ بھی ہو۔ کوشش یہ کی جاتی کہ اس کے تجسس ملاقاتی نہ آئیں۔ وہ ان لوگوں سے جان چمڑانا چاہتا تھا۔ اُسے شہرت سے بہت نفرت تھی۔ تھا شایبنا اُسے پسند نہیں تھا۔ لیکن منہ کے پریشانی ہونے چہرے میں جو نقص پیدا ہو گیا تھا اس سے وہ زیادہ احساس ہو گیا اور ملاقاتوں کا سلسلہ بالکل بند کر دیا۔ زندگی کے آخری ایام میں تو اس نے دی آکا کے گرد و نواح میں ہی گرمی کا موسم گزارنا شروع کر دیا۔ وہاں وہ ایسا مکان تلاش کر لیتا جس میں باغ ضرور ہو۔

اس کا حلقہ المہاب روز بروز محدود ہوتا گیا۔ لیکن ہر وہ چیز جس میں حسن کا شائبہ تک بھی نظر آ سکتا تھا اُس کی توجہ کا مرکز بن جاتی۔ وہ اپنے باغ کے ایک ایک ٹکڑے کا مشاہدہ کیا کرتا اور پھر اسی گرم جوشی سے ان میں تبدیلیوں کا ذکر کرتا جس طرح وہ دنیا کی مختلف قوموں کے آرٹ اور تہذیب کا ذکر کیا کرتا۔ جن کا مطالعہ اس نے کیا تھا اُس نے انسان کی نشوونما کی تاریخ میں ایروس (Eras) جہلت نیات اور موت کی جہلت کی تلاش کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اُسی کی روشنی میں بیوٹا کی زندگی کے پتھر پر بھی غور و فکر کیا کرتا۔ کس طرح بھول اُمت ہے بڑھتا ہے مرنے والا مگر گر پڑتا ہے اور پھر دوبارہ جنم لیتا ہے۔

زندگی کے آخری دنوں میں بھی اس نے اپنی تجویزاتی تحقیقات کو جاری رکھا۔ گو اس کا وقت چند گھنٹے کم ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ صرف فوری کیس اور خاص مرلیضوں کو دیکھتا۔

گریموں کے تین مہینے پچھٹی مٹا فرائڈ کے نزدیکی ایک مذہبی فریضے کی ہی اہمیت رکھتا تھا۔ جب اس کی صحت بحال تھی تو اسے لکھنے کے لئے کافی وقت میسر آ جاتا۔ اس نے ان دنوں سے پورا ہر افاقہ کو بھی اٹھا یا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب اس کے پاس زیادہ فرصت کا وقت نہیں ہوتا تھا تو تحریری کام ہی نہ کرتا تھا۔ بلکہ اپنی ساری مصروفیات کے باوجود جب وہ ان میں شہک ہوتا تو بھی اپنا کام کئے جاتا۔ چنانچہ بہت سے ایسے مسائل جن کے لئے توجہ کی کافی ضرورت ہوتی تھی۔ اس نے اپنی ساری مصروفیات کے ہوتے ہوئے ان پر لکھا اور خوب خوب لکھا۔ پھر اس دوران میں نہ اس نے دوسرے کاموں کو ترک کیا اور نہ دوسرے کاموں کی ناپاوری کی وجہ سے اس کے مضامین تشدد ہے۔ جب محنت سے محبت ہو جائے تو وقت بھی نکل آتا ہے۔

۵

شاعر، فن کار، سائنس دان اور ماہرین نفسیات دنیا کو نئے نئے خیالات سے متعارف کراتے ہیں اور انسان کے محدود علم میں برابر اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ نفسیات کے ایک طالب علم کے لئے یہ سوال بہت دلچسپ ہے کہ حقیقی فکر کیسے عمل پیرا ہوتی ہے؟ نئے خیالات کس طرح جنم لیتے ہیں پختہ ہوتے ہیں اور پلٹا خر سامنے آتے ہیں؟ ایچ کے کہتے ہیں۔ یہ مطالعہ بہت دلچسپ ہے اور اس کے لئے کسی ”ذیادہ روز“ کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کے قرب سے وہ ساری حقیقتیں پائی جاسکیں جن سے دو چار ہو کر ”ذیادہ روز“ کے خیالات کی تکمیل ہوتی ہے۔

جہاں تک فرائڈ کی زندگی کا تعلق ہے اس نے اپنا ایک لامحالہ عمل تیار کر لیا تھا اور اس کی زندگی اسی کے مطابق بڑی باقاعدگی سے بسر ہوتی رہی۔ وہ اپنا تحقیقاتی کام بڑے اشلہاک سے کرتا رہتا۔ اس کے آٹھ یا نو گھنٹے روزانہ تجرباتی کاموں پر صرف ہوتے۔ یہ کافی عرق ریزی کا کام تھا دماغی کام کرنے کے لئے جس توجہ اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پھر تجربے نفس بذات خود دماغی کاروبار ہے جس سے اس کی نزاکت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ فرائڈ کو ایک اور وقت کا بھی سامنا تھا۔ اُسے اپنا تجربہ یہ آپ کرنا پڑتا۔ اپنے لاشعور کو کرپڈ ہوتا اس سے اس کی عرق ریزی میں اور اضافہ ہو جاتا۔

جب ہم کسی کے ذہن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اس شخص کے چند پہلو سامنے آتے ہیں۔ جس سے ہم اس کی ذات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اگر ہم اس مطالعہ کو گہرا کرنا چاہیں تو ہمیں شخص ذات سے اندازہ لگانے کی بجائے گہرائی کی طرف جانا ہوگا تجرباتی ادراک پر بھی یہی اصول حاوی ہوتا ہے۔ لاشعور ذہن کا ایک حصہ ہے جس میں وہ جذبات اور

بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر اسے اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو پھر وہ قابو سے باہر نکل جاتا ہے اور اس قدر دور جا پہنچتا ہے۔ جہاں اس کا چلا جانا تجزیہ کے لئے بھی سوڈوں نہیں ہے۔ جب ایک طرف شعوری مقصد ہو اور دوسری طرف کوئی لاشعوری کشش تو اس سے ایک مزاحمت (Resistance) پیدا ہوتی ہے جس کے نتائج ناگوار ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے تجزیہ کار کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ خود اپنا مسلسل تجزیہ کرائے تاکہ اس میں دیر پا ضبط نفس پیدا ہو جو دو ذاتی تعلقات کو استوار کر سکے۔ کیونکہ تجزیہ کار اور اس کا ”معمول“ شعوری طور پر اگرچہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے ہوتے ہیں لیکن لاشعوری طور پر ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس کے بغیر تحقیق و ادراک سے مقصود حاصل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان میں ایسی مفاہمت پیدا ہو سکتی ہے جو جذبات سے بالاتر اور جامع ہو۔ ان دو ذاتی قوتوں کے عمل کی پرواغت کے لئے تجزیہ کار اور اس کے معمول کے درمیان ایک قاصلے کی ضرورت ہوتی ہے جسے کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تحقیق و ادراک کے نازک توازن کو برقرار رکھنے سے تجزیہ کار کے ذہن پر کافی بوجھ پڑتا ہے۔ بھلا ایک تجزیہ کار جسے اپنے آپ کو ایک دن میں سات یا آٹھ شخصیتوں میں ڈھالنا پڑتا ہو اور پھر اس دوران میں اُسے اپنے پر پورا قابو بھی رکھنا پڑے کیا اس کے لئے ضروری نہیں کہ اُسے علیحدگی میسر آئے جس سے اس وقت اپنی تھکاوٹ دور کر سکے۔

لاشعور کو سمجھنے کے لئے فرائنڈ کا ودھانی اور اک اُس بلند مقام تک پہنچا تھا جہاں تک نفسیاتی بصیرت چھان بین کر سکتی ہے۔ اس نے لاشعور کی بھول بھلیوں کو جنہیں اب تک کسی نے نہیں سمجھا تھا کرے اور سمجھا۔ وہ اُس خارزدہ راستے کا راہ نما تھا جہاں ہر قدم پر ایک نئی تاریکی کا سامنا ہوتا ہے اور نیا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اس نے اپنی تحقیقات کی ابتدا کی تو اس وقت اس کا کوئی نظریہ نہ تھا اور نہ ایسا فنی تجربہ جس سے وہ کوئی نظریہ قائم کر سکتا اس نے جو فنی اپنے تجربات شروع کئے۔ چاروں طرف سے اس کی راہ میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کئے گئے۔ مخالفت ہونے لگی۔ اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اس کے ہم مصروں نے اس کے خلاف بڑے زور شور سے آواز اٹھائی۔ اُس کی تھکی کی گئی۔ تجزیاتی تحقیقات کے دوران لاتعداد تجربات ہو گئے۔ لیکن اس کے پاس کوئی لیباڑی نہیں تھی۔ جس کی مدد سے وہ ان تجربات کو باقاعدگی سے کنکال سکتا۔ اس راہداری کے عالم میں اُس نے ان بے شمار واقعات اور تجربات سے آہستہ آہستہ نتائج اخذ کرنے شروع کئے جو

بالا غراس قابل ہو سکے اُن سے سائنٹفک طریق پر کام لیا جاسکے۔ ان تجربات اور اثرات سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھاتا چاہتا تھا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اپنی توجہ اُن سے ہٹالے۔ یہاں تک کہ کام کرنے کے اوقات ختم ہو جاتے۔ کام سے فراغت پا کر ذرا سستا لینا اُس کے لئے ایک ایسی عیشت تھی جو اُسے میسر نہ آتی۔ آٹھ نو گھنٹے وہ تجزیاتی کام کرتا۔ مریضوں کی تحلیل نفسی کرتا اور اس کے بعد وہ تمام مواد جو دن بھر اکٹھا ہوتا رہا تھا قلمبند کر کے نہایت تن دہی سے اس کا جائزہ لیتا۔ اس کے بعد وہ چھان بین کرتا اور کوشش کرتا کہ جب تک تازہ مواد اس کے ذہن میں ہے۔ اس کی اچھی طرح چھان بین کر لے۔ یہی ایک طریقہ تھا جس سے وہ اس سارے مواد کو محفوظ کر سکتا تھا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اچھے اچھے مشاق بھی یہاں آ کر رہ جاتے ہیں۔ پچاس برس متواتر فرمائندہ اپنے مریضوں کے امراض کی روداد نگہدار ہا ان میں جو نکات اہم ہوتے وہ ان کو بالتفصیل درج کرتا اور کوشش کرتا کہ حرف بحرف تحریر میں آجائیں وہ ان تفصیل کو فوراً تحریر میں نہیں لاتا تھا۔ بلکہ پہلے مجمل طور پر لکھتا۔ اس کے بعد ہفتہ بھر ایسی ایمانی تحریریں لکھتی کہ انہیں ایک باقاعدہ بیانہ کی صورت دے لیا کرتا۔ چنانچہ ان میں سے چند ”رودادیں“ شائع بھی ہوئی ہیں۔ ان کا مطالعہ کافی معلومات افزا ہے۔ ان کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک شخص اگر محنت سے متواتر کام کرتا رہے تو نو دس گھنٹوں میں ایک بھی روداد مرض مکمل نہیں لکھ سکتا۔ فرمائندہ کتنا سختی تھا۔

فرمائندہ کے خطوط بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اُن میں بعض خطوط طبی قسم کے تھے اور بعض خطوط حادثات زمانہ کی وجہ سے تلف بھی ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود خطوط اب بھی موجود ہیں جب کبھی وہ شائع ہوئے اُن کی تعداد ہزاروں ہوگی۔ یہ خطوط اپنے رفقاء، اچھیوں، پیروؤں، نقادوں، مخالفوں اور ہمدردوں کو لکھے گئے ہیں۔ ان میں وہ لوگ ہیں جو اُس کے زیر طالع رہے وہ عالم ہیں جن کی دلچسپی نے انہیں اُس کی طرف متوجہ کیا وہ ادیب ہیں جن کے نفسیاتی وجدان کو فرمائندہ کی تحریروں سے دھکا لگا۔ اُسے کوئی بھی خط لکھ دیتا اور اگر اس میں کوئی بات قابل توجہ ہوتی یا کوئی انوکھا مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ ضرور اس کا جواب دیتا۔ یہ مکاتیب زیادہ تر اُن پیروؤں کو لکھے گئے ہیں جو مختلف ملکوں میں بستے تھے۔ فرمائندہ ان کے لئے راہ نمائی اور مخطروں کا ایک مسلسل منبع تھا۔ تحلیل نفسی کے سلسلے میں وہ متواتر اپنے ان شاگردوں کو ہدایات دیتا رہتا۔ یہی نہیں بلکہ ان کے ذاتی معاملات میں بھی وہ اُن کی راہ نمائی کرتا۔ ان لوگوں کے کردار کے مسائل بھی ذرا زیادہ اچھے

ہوئے تھے۔ ان کو سلجھانے میں وہ سب کی مدد کرتا۔ اس کے اُن خطوط میں نئے نئے انکشافات ہوتے تھیں نفسی کی نشوونما کی راہ میں جس قدر رکاوٹیں آتی تھیں اُن کا حل ہوتا اور تمام باتیں ہوئیں جن سے یہ تجزیہ کار اپنے ذہن کو صاف کر سکتے تھے۔ اس کے خطوط ایک مشعل راہ تھی۔ جو دنیا کے چاروں کونوں میں اس کے پیروؤں کے لئے راست دکھانے کا کام دیتی تھی۔

اس کے لکھنے کے میز پر کاغذ کا ایک بڑا ٹکڑا رکھا رہتا جس پر تاریخ درج ہوتی۔ اس کاغذ کے بائیں جانب وہ تمام خطوط درج ہوتے جو اُسے باہر سے آئے تھے اور دائیں جانب وہ خطوط جو اُس نے لکھے۔ وہ اپنے تمام خطوط کا جواب خود اپنے قلم سے دیا کرتا۔ عمر کے آخری حصے میں کبھی کبھی اس کی بیٹی انا فرانز سیکر فری کے فرائنز سرانجام دیتی رہی۔ اپنی موت سے ایک ہفتہ قبل بھی جبکہ طاقت جواب دے چکی تھی اور مشکل سے قلم تمام سکتا تھا اُس نے چند خطوط لکھے۔

اگر یہ مکاتیب مرتب ہو کر شائع ہو گئے تو دنیا فرائنز کے علم و حکمت سے اور زیادہ مستفید ہوگی اور اُن میں سے اور روشنی ملے گی جو اُن کے لئے مشعل راہ ہو سکے گی۔ ان خطوط میں فرائنز کے خیالات کی گہرائی، جرات، دلیری اور طرز نگارش حیرت انگیز طور پر نمایاں ہوگی۔ بہت سی ایسی باتیں جو اس کی تصانیف میں بھی نہیں آسکیں یہاں ملیں گی۔ خط کالب و لہجہ ذاتی اور نجی ہوتا ہے اور اس میں بے تکلفی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ ایک گھٹنے میں دس بارہ خطوط لکھتا تھا۔ یہ رفتار حیرت انگیز ہے کیونکہ آٹھ تھوڑے وقت میں اس قسم کی لمبی خطوط لکھنا محو سے سے کم نہیں۔

فرائنز نے سائنٹیفک دنیا میں اپنی تحقیقات اور دریافتوں سے اس قدر اضافہ کیا ہے کہ اس کی مثال انسان تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہ پہلا انسان ہے جس نے خود انسان کو سمجھنے کے لئے اس قدر کام کیا۔ پھر جو شخص بھی اس سرچشمہ سے سیراب ہوا وہ بھی انسان کو سمجھنے لگا۔ اور نئی نوع انسان کی الجھنوں کو کم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ساٹھ برس کی طویل مدت اس نے انسانیت کی خدمت میں گزاری ہے۔ اس دوران میں قلم اور زبان سے وہ برابر اپنا پیغام دنیا کو دیتا رہا۔ آج ہمارے سامنے اُس کی تحریروں کے انبار لگے ہیں۔ یہ علم و حکمت کے وہ خزانے ہیں جن کے ذریعے انسانیت کے اس حصہ نے انسان کو بلند کرنا چاہا۔ انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ بالکل ایک واہجے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ فرائنز ہی تھا جس نے انسان کو اس واہجے سے نکالا اور پھر اُسے وہ روشنی بخشی جس کے ذریعے انسان انسان بن سکتا ہے۔

فرائز اکثر کھینے سے پہلے اپنے موضوع پر بہت زیادہ غور و غوض کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی تحریر میں کبھی کسی لفظ کو تکرار نہیں کرتا تھا۔ ہاں جب کبھی کوئی بات یا نظریہ اسے بدلنا ہوتا وہ ساری تحریر کو ”دوبارہ لکھتا۔ اسے اپنی تحریر میں کالٹ چھانٹ پسند نہ تھی۔ اس کی محنت کا اندازہ لگانے کے لیے اس نئی کی کتاب میں برسوں شائع نہ کرائیں بلکہ انھیں بار بار لکھتا رہا اور جہاں کہیں اسے بدلنا پڑا اس نے ساری تحریر کو دوبارہ لکھا۔“

وہ اپنے آپ پر کڑی تنقید کرنے کا عادی تھا۔ اگر کسی بات سے اس کی اپنی پختگی نہ ہوتی تھی تو وہ اس وقت تک اسے التوا میں رکھتا۔ جب تک اسے اس کے متعلق خود اطمینان نہ ہو جاتا وہ لوگ جنہیں وہ اس قابل سمجھتا تھا کہ اس کی تحریروں پر تنقید کر سکیں ان کی تنقید کا وہ ہمیشہ خیر مقدم کرتا۔ جب اپنے رفقاء انٹرنیشنل سائیکو ایلیمنٹس سوسائٹی میں وہ کوئی مقالہ پیش کرتا تو اس پر خوب بحث ہوا کرتی۔ وہ خود بھی اس بحث میں حصہ لیتا اور ہر سوال کو اس نوعیت کے مطابق زیر بحث لاتا۔ فرائز کی طرز فکر میں ایک بات بہت زیادہ قابل غور ہے وہ ہر نظریہ قائم کرنے سے پہلے اس پر خود بہت سے سوالات اور اعتراضات وارد کر لیتا اور پھر ان کے حل کرنے کے بعد کسی نتیجہ کو مرتب کرتا۔ اس لئے اکثر ان بحثوں میں جو بھی سوالات پیش کئے جاتے وہ عموماً وہی ہو جو خود اس کے پیش نظر تھے۔ شاید ہی ایسا کوئی موقع ہو گا جب اسے اپنے کسی نظریے کو ان مجالس کی بحث کے باعث بدلنا پڑا ہو۔

بحث و تجویس کے سلسلے میں اگر کوئی نفاذ خلوص سے اس پر سوالات کرتا تو اعتراضات کا سلسلہ کتنا ہی فرسودہ کیوں نہ ہوتا وہ بڑے تحمل سے ان کو سنتا اور جواب دیتا۔ وہ لوگ جو دلائل کی بجائے اپنی قابلیت اور لفاظی سے رعب بنانے کی کوشش کرتے وہ انہیں درخور اعتنا نہ سمجھتا تحلیل نفسی کی تحریک کے ابتدائی دور میں جب فرائز بحثوں میں حصہ لیا کرتا تھا ان دنوں کا ذکر ہے کہ وہ طلباء کی ایک مجلس میں موجود تھا۔ جہاں ”جنسی اجتناب“ کا موضوع زیر بحث آیا۔ فرائز کو بھی بولنے کی دعوت دی گئی۔ اس نے موافق یا مخالف کچھ نہ کہا۔ بلکہ تجویز طے کا زور دیا کہ وہ پیش کیا۔ وہاں ایک لفظ کے پر و فیر بھی موجود تھے جو فرائز کی ہر بات کی مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے چنانچہ وہ اخلاق کے راہوار پر سوار ہو کر فرائز پر حملہ کرنے لگے۔ فرائز کو اپنی پہلی کوٹ اٹھایا اور ایک لفظ کہے بغیر وہاں سے چلا آیا۔

نے اور ان کے خیالات کس طرح جنم لیتے ہیں؟ اس کا جواب فرانز کی زندگی میں ملتا ہے ابتدا میں اُسے امراض و باغی کے علم کی تحقیقات کے دوران میں ایک نئی بات کا تصور سامنا کرنا ملا۔ اس نے اپنی توجہ ذہن پر مرکوز کر دی۔ آہستہ آہستہ معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور پھر ایسے نئے اصولوں نے جنم لیا جو انسانی نفسیات اور تہذیب پر حادی ہو گئے۔ تحقیقات کے دوران میں کئی بار ایسا بھی ہوا کہ ایک اور مسئلے پر غور کر رہا ہے کہ ایک نئی بات سامنے آ گئی۔ ایک دن وہ کسی مزاحیہ رسالے میں ایک کارٹون دیکھ رہا تھا جس میں ایک لڑکی کی زندگی کے دورِ رخ دکھائے گئے تھے۔ پہلی حالت میں وہ ہاتھ میں چھتری لئے لڑکیوں کی طرح تھیں اور دوسری میں وہ گورنرس تھیں جو چند نوجوان لڑکیوں کو اپنی زانہ چھتری سے اشارہ کر کے کچھ بتا رہی تھیں۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے گروہ میں یکسانیت پیدا کی گئی تھی۔ اس کارٹون نے اس نے ارتقا کے نظریے کی طرف توجہ کی اور بالآخر حراج اور لاشعور کے تعلق پر ایک مفصل کتاب لکھی۔

فرانز کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جس موضوع سے اُسے دلچسپی ہوتی وہ اس کے متعلق ہر کتاب اور سائنٹیفک مقالہ جو اُسے میسر آتا پڑھا کرتا۔ اُسے تاریخ سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ اس کے بعد قہیم روم اور یونان کی زندگی اور اترت اس کی توجہ کا مرکز ہے۔

مصر، بائبل اور شام کی تہذیب سے بھی اس کو کافی لگاؤ تھا۔ جب بھی وہ پرانے مافوق شہروں کی کھدائی کی روداد پڑھتا تو اس کے دل میں وہاں کے حالات و ریاست کرنے کا ایک جوش پیدا ہو جاتا۔ خود اس کے پاس نادرات قہیمہ کا کافی ذخیرہ تھا۔ وہ نو دور ریاست نو اور سے اپنے نادرات کا مقابلہ کرتا۔ اس نے ان نادرات کے ذریعے مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی فانی نشوونما کا اندازہ لگا باور تحصیل نفسی کی روشنی ان ساری دلچسپیوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔ وہ تہذیبیں جو مٹ چکی تھیں اور جن کے کھنڈرات سے نئی تہذیبیں معرض وجود میں آتی رہیں۔ اس میں اُس نے اس تہذیبی رہاؤ کا گہرا مطالعہ اور اس کے نتائج سے تحصیل نفسی کی نشوونما دی۔

جب وہ اپنے اسٹوڈیو میں کسی سے باتیں کر رہا ہوتا تو ان نادرات میں سے کوئی چیز اٹھا لیتا اور لگا ہیں اس پر گاڑ دیتا ہاتھوں سے اُسے چھوتا رہتا۔ جب کوئی دوسرا باتیں کرنے لگتا تو وہ بھی ایسا نہ کرتا بلکہ نہایت توجہ سے اُس کی باتیں سنتا۔ کبھی کبھی اس دوران میں وہ اپنی انگلی شری کو حرکت دیتے لگتا۔ اس کے چہرے کے آثار چہاڑا یا تھیل نشست سے کبھی بات کرنے والہ جواب میں

کچھ کہتا تو معلوم ہوتا کہ اس نے ساری باتیں بڑے غور سے سنی تھیں۔

اپنے رفیقوں سے باتیں کرتے وقت تحلیل نفسی کا زاویہ نگاہ اس کے پیش نظر آتا۔ زندگی کا ہر حادثہ جو زیر بحث آتا اس کی دور بین اور دور رس نگاہ اس سے سمجھنے کی خواہشات جنسی دہاؤ کے اثرات اور تغیر یا وہ ساری صورتیں جن کا ادب بدل کر وہ الیہ یا حرا صید تھاب اوڑھ لیتا تھا دھوڑھ لیتی تھی۔ فرائڈ نے دنیا کو تحلیل نفسی کی عینک سے دیکھا اور ساری باتیں جن سے دوسروں کی آنکھیں چند صیا جابا کرتی تھیں اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

فرائڈ کی ساری دلچسپیوں کا مرکز انسانی ذہن تھا اور ان دلچسپیوں کا ایک حصہ کتابوں کا مطالعہ۔ یہ مطالعہ محض فنی کتابوں تک محدود نہیں تھا بلکہ اس نے دنیا بھر کے اعلیٰ و ارفع ادب کو کھنگال ڈالا۔ اپنے زمانے کے نامور ادباء کی تصانیف بھی اس کے پیش نظر تھیں۔ اپنی مادری زبان جرمن کے علاوہ اُسے انگریزی اور فرانسیسی پر چرما عبور تھا۔ اطالوی اور ہسپانوی زبانیں وہ بڑی آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔ لاطینی اور یونانی زبانیں اس نے سکول کے زمانے میں پڑھی تھیں مگر ان سے اُس نے زیادہ کام نہیں لیا۔

مصنفین میں سے اُسے اتنا طول فرانس سب سے زیادہ محبوب تھا اور اس کی تحریروں کا وہ اپنے احباب سے اکثر ذکر کیا کرتا اتنا طول فرانس کی ایک کہانی "فرشتوں سے بھاوت" اُسے بہت پسند تھی۔ اس میں ایک جگہ اتنا طول فرانس تہذیب کی نشوونما کو باغی فرشتوں کی شکل کے پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ اس کہانی کا انہماق فرائڈ کو بہت زیادہ پسند تھا شیطان باغی فرشتوں کی قیادت رو کر دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ "ازلی مطلق العنان" کو اپنی قوت سے برطرف کر کے اس کی جگہ حاصل کرنے کا لازمی نتیجہ ہوگا اس میں بھی ظلم اور جھگ نظر آ جاتے گی۔

انیسویں صدی کے جرمن کلچر پر گامخیز چھایا ہوا تھا۔ اُس کا اثر ذہین لوگوں کی عام گفتگو میں بھی نظر آتا تھا۔ فرائڈ اُس کی تصنیف کا ولدا وہ تھا۔ اس کی لاہریری میں گامخیز کی تمام تصانیف کی اعلیٰ ترین اینڈیشن موجود تھے۔ فرائڈ کہا کرتا تھا کہ "اپنی ذات کو چھپانے کے لئے اُس نے اتنی کتابیں لکھی ہیں۔"

روسی مصنف دستوئسکی کی تصانیف میں نفسی تجزیہ کے آثار ملتے ہیں۔ اگر آرٹ اور سائنس کے راستے مختلف نہیں ہیں تو دستوئسکی کو فرائڈ کا پیش رو کہنا مبالغہ ہوگا۔ فرائڈ اس کے کرداروں

کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے کیا کرتا تھا۔ ان کی نگلش اور نفسیات کا وہ کامل تھا۔ دستونکشی کے کردار مرگی کا شکار ہیں۔ لیکن فرائڈ اس کردار نگاری سے حلق نہیں تھا۔ روسی ادب میں ایک جادو ہے جو ہنسنے والے کو متاثر کرتا ہے۔ جب انقلاب کے بعد اشتراکی روس میں پہلی بار فرائڈ کی کتابوں کا ترجمہ سرکاری طور پر شائع کیا گیا تو فرائڈ کے ایک ساتھی نے اس پر غشی کا اظہار کیا اور کہا کہ تجزیہ نفس سے روس کی تشکیل پر کافی اثر انداز ہوگا۔ فرائڈ نے اس کا بہت دلچسپ جواب دیا ہے۔ اس نے کہا: ”روسی لوگ پانی کی طرح ہیں جو ہر قسم کے برتن کو بھر دیتا ہے لیکن کسی شکل کو مستقل طور پر اختیار نہیں کرتا۔“

ٹھیکسیر کا وہ بہت مداح تھا۔ سلسلے کے ذرائع میں ایڈی پیس ابھرنے موجود ہے جو فرائڈ کی دلچسپی اور توجہ کا سوجھ بوجھ بنی اور اس کا ذکر اس نے اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ تحلیل نفسی کی مجالس میں اس پر بحثیں ہوتی رہیں۔ فرائڈ کے رفیق ارنسٹ جونز نے اس پر ایک طویل مقالہ لکھا۔ فرائڈ نے ٹھیکسیر کے دوسرے ذرائعوں کی طرف بھی توجہ کی اس کے ساتھیوں کو ان ذرائعوں میں کافی تجزیاتی مواد ملا ٹھیکسیر کے حلقے ایک بات فرائڈ خصوصیت سے کہا کرتا تھا کہ اگرچہ وہ استادانہ چابکدستی سے عمرات کو ظاہر کرتا یا چمپا تا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ میکا کی طور پر با اصول نہیں ہے۔ جہاں کہیں ذرائع میں کوئی جذباتی مقام آتا ہے تو وہ منطقی اور نتیجے سے بے پروا ہو کر موقع محل کے مطابق بات کہہ جاتا ہے۔ مثلاً سلسلے ایک جگہ اپنے خود کلامیہ میں موت کے بعد کی زندگی پر شے کا اظہار کرتا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط تھا کیونکہ وہ باپ کا بھوت دیکھتا ہے جو قبر سے نکل آیا تھا۔

پروں کی کہانوں میں ایسی کہانیوں کا ذکر عموماً آتا ہے جن میں بارہ آدمیوں جتنی قوت ہوتی ہے۔ فرائڈ بھی ایسی ہی ایک کہانی ہستی تھا۔ اتنا جسمانی کام کرنے کے باوجود وہ کبھی تھکتا نہیں تھا۔ اکہرے بدن کا اختلال جس کا سارا وقت تحقیقات مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں صرف ہو جاتا جب سیر و تفریح کے لئے پھاڑوں کی طرف نکل جاتا تو کیا محال کہ تھکے کا نام بھی لے۔ اس کے نو جوان ساتھی صحت ہار دیتے۔ مگر وہ جو اس سال بوڑھا برابر چلتا رہتا۔ جہاں کہیں وہ جاتا جن چیزوں کو اُسے دیکھنا ہوتا وہ ضرور دیکھتا اور جب تک انہیں اچھی طرح دیکھ نہ لیتا اُسے چین نہ آتا۔

ان تقریبی منز گشتیوں کے درمیان اُسے ضرور کوئی نہ کوئی نیا نظارہ یا کوئی غیر معمولی پروا و فیروہ حاصل جاتا جس سے اس کی دلچسپی بڑھ جاتی۔ جس قدر اس کا ذہن غیر معمولی خصوصیات کا حامل تھا

اسی قدر اس کی آنکھیں تھیں۔ وہ چیزیں جنہیں دوسری آنکھیں نظر انداز کر جایا کرتیں وہ انہیں دیکھ لیتا۔ ان پہاڑی سیرپاٹوں میں اُسے ”کھنٹیں“ ڈھونڈنے کا بہت شوق تھا۔ اکثر وہ اپنے ساتھیوں سے شرط پڑتا کہ جو سب سے اچھا نمونہ تلاش کرے گا اُسے انعام دیا جائے مگر اس کے سوا کبھی کسی نے یہ انعام حاصل نہیں کیا تھا۔

فرائڈ بلا کا کام کرنے والا تھا لیکن اپنی مصروفیات کے دوران میں وہ کبھی کبھی سیر و تفریح کے لئے وقت نکال لیا کرتا۔ جب اس کے کام کو دیکھتا جائے تو ایک پہاڑ ہے اور اس میں یہ تفریحی مقامات ایک نیلے سے بھی کم نظر آتے ہیں۔ لیکن ان نیلوں سے پہاڑ کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے۔ انسان کو غیر معمولی پٹانے میں غیر معمولی کام بہت درودیتا ہے۔

دنیا کا ہر انسان مرد میدان ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اس کی شخصیت نامکمل رہتی ہے۔ فرمائے
 نے ہزاروں برس کے ”مقدس“ معقولات اور محرکات کی بنیادیں بنادیں۔ جس کا لازمی نتیجہ ایک
 سیکش تھا۔ یہ سیکش اس کی زندگی کا جزو بن گئی۔ اس کی کتابوں میں وہ سارے دلائل جو اس نے
 اپنے مخالفین کے جواب میں پیش کئے اور اس کا علم الکلام موجود ہے۔ لیکن اس مخالفت کا ہند پاتی
 رد عمل کیا ہوا کرتا تھا یہ اس کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ اس کے لئے ہمیں صرف ان لوگوں سے مدد مل
 سکتی ہے جو اس کے قریب رہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان لوگوں کا زاویہ نگاہ بہت حد تک ہمدردانہ ہوگا۔
 ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ فرمائے کے چاروں طرف ہاؤ ہوگا ہنگامہ پار جتا لیکن اس میں سے
 بہت ہی کم اس کے ذہن کے اندر پہنچ کر ڈراسی کا ٹھیل بچا سکتا یا کسی زیادہ دہیل بازی کی کو بہت
 آتی۔ اس کے گرد گویا جادو کا ایک ایسا حلقہ گھمچ گیا تھا جس کے اندر معاشرہ میں داخل نہیں ہو سکتی
 تھیں۔ زندگی میں وہ بہت کم مرتبہ ڈنگل میں لکھا لیکن جب بھی وہ نکلا اس نے اپنے حریف کو پچھاڑا
 اور پھر خاموشی سے واپس پر سکون جگہ پر آ بیٹھا۔ چاروں طرف جھوم کا ہنگامہ برپا جتا مگر وہ ان سے
 بے نیاز تھا۔

جہاں تک اس کی مخالفت کا تعلق ہے۔ جب ہم نظر مینق آئے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے
 یہ محض تعلق اور خالی خالی خود نمائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کرتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل جرمن ذہن
 کا یہ خاصہ تھا کہ اس میں تعلق اور خود نمائی بہت زیادہ تھی۔ یہی حالت دوسری جنگ عظیم سے پہلے
 جرمنی میں ہو کر رہی تھی۔ یہی نہیں بلکہ جرمنوں کی غیر رواداری بھی اونچ کمال پر تھی۔ وہ لوگ مخالف
 کی باتوں کا نہ صرف دلائل سے ابطال کرتے بلکہ یہاں تک حد سے تہاد ذکر جاتے کہ مخالف کو زندہ
 رہنے کے حق سے بھی محروم کر دینا چاہتے۔ جانے یہ فقدان رواداری جرمنوں کے مکمل ہونے کے

باعث ہے یا مکمل ہونے کی وجہ سے ان میں یہ غیر روا داری آگئی ہے۔ لیکن ایک حقیقت ضروری کہ جرمی کے لوگوں نے اپنے نامور لوگوں سے جو سلوک روا رکھا ہے وہ افسوسناک رہا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جنکس کو اس کے عہد میں قبول نہیں کیا جاتا اور پیغمبر پر اس کے وطن میں کوئی ایمان نہیں لاتا۔ گائے اور شہر ایسے لوگوں پر کچڑ پھینکا گیا۔ انھیں بری سے بری گالیاں دی گئیں۔ شوہن ہار کے کارنامے اتنے عقیم تھے جن کی مثال دنیا کی کوئی مہذب قوم نہیں کر سکتی۔ اُسے اپنے ملک سے یہ صلہ ملا کہ تیس برس کسی نے اُسے درخور افتادگی نہ سمجھا کہ اس کے متعلق ایک لفظ بھی کہا جائے۔ فرائڈ کا بھی یہی حال ہوا۔ اس کے خلاف بھی پلے دے کی بددلتی اور کج فہمی کے مظاہرے کئے گئے اور لطف یہ کہ ان میں بہت سے یہودی بھی شامل تھے بلکہ فرائڈ کے بدترین اور شدید ترین مفاد یہودی ہی تھے۔

فرائڈ خود لکھتا ہے کہ جب اس نے یہ بتایا کہ نورداتی خلل کا سرچشمہ ”نفسیاتی جنسی“ (Psycho Sexual) ہے تو پر اس قدر ہنگامہ برپا ہوا کہ وہ خود حیران رہ گیا۔ تحلیل نفسی کا یہ فوری جذباتی رد ایک فطری اور ضروری واروہ (Phenomenan) تھا تحلیل کے دوران میں ہر نورداتی مریض مزاحمت کرتا ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد اس نے نہ صرف خود ان اعتراضات کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کی۔ شاید چند ایک موقعوں پر اس نے مخالفین کے جواب میں مناظر اندر تک اختیار کر لیا ہو ورنہ..... تحلیل نفسی کی نشوونما اور کامیابی کا انحصار ان نتائج پر ہے جو اس نے اپنی تحقیقات سے اخذ کئے۔

اپنے مخالفین کے بارے میں وہ اکثر خاموش رہتا۔ جب بھی اس نے ان عادی مخالفین کا ذکر کیا تو اس میں مزاح یا استہزاء کا رنگ ہوتا اور کبھی کبھی وہ اس پر ہنس بھی لیا کرتا۔ یہ وہ واقعات اس نے خود بیان کئے ہیں۔

اس کا ایک قصہ بہت بڑا اور اکثر تھا جو یورسیس اور جنسیاتی تعلق کا بری طرح مخالف تھا۔ ایک دن اس کے کینک میں ایک لڑکی لائی گئی۔ جو مسٹر یا کی مریض تھی۔ جب دورہ چڑھا تو لڑکی ایسی حرکات کرتی جو سچے کی پیدائش کے وقت کی جاتی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ جھنجھایا اور یہ کہہ کر باہر چلا گیا ”کے بچے کی پیدائش کو جنس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔“

ایک اور پروفیسر اپنے طلباء سے کہا کرتا تھا کہ فرائڈ کے نظریے جنس میں ذرا بھر بھی صداقت

نہیں ہے اور اپنے اس بیان کو سچا ثابت کرنے کے لئے ایک دن اس نے توہانی فورسز (Obsessional neurosis) کے ایک مریض کو پیش کیا۔ مریض نے اپنے حالات بیان کرنے کے دوران میں اپنے ایک بہیم کا ذکر کیا کہ جب کبھی کوئی عورت اس کے سامنے آتی اس کا یہی ہی چاہتا کہ اس عورت کا جینی کوٹ اوپر اٹھا دے۔ اس پر طلباء کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ پروفیسر بھی تازہ کیا اور بولا۔ ”یہ علامت محض اوپر کی ہی ہے۔ اس سے مخاطب ہو سکتا ہے۔ اور اس نے مریض سے دریافت کیا کیا یہی وہم جنہیں ماں کے متعلق بھی انہیں خیالات پر اکساتا ہے؟“

”جی ہاں ابھی تو سب سے بڑی بات ہے۔“ اور اس پروفیسر نے طلباء کو یوں مخاطب کیا۔

”مزید ادا کیا تم نے بھلا اس علامت میں کوئی جنسی بات ہے؟“

بہت سے نقاد تحلیل نفسی کو خارجی طور پر دیکھتے اور عموماً ان کی معلومات سرسری ہوتی ہیں ایسے معترضین کے جواب میں اس کے پاس صرف ایک ذہر خنقا تھا۔ جو لوگ سمجھ گئی سے تنقید کرتے وہ انہیں قائل اٹھتا دیکھتا۔ وہ ساتھی جو اس سے الگ ہو گئے تھے اور جنہوں نے تحلیل نفسی کے بعض نظریات کو رد کیا۔ بعض کو جتنی صورت دے کر اپنی طرف سے پیش کیا۔ ان کی تردید میں فرائڈ نے پوری قوت صرف کر دی۔ ان میں سے ایک راہ اور ڈنگ سب سے زیادہ قائل ذکر ہیں۔ وہ ان کے خلاف نئے نئے دلائل تلاش کرنے سے نہیں ہٹتا تھا۔ وہ ہر وقت ان کے خلاف مستعد رہتا اور اس نظریاتی جنگ میں اپنے شاگردوں کو بھی شامل کر لیا کرتا۔ خارجی مخالفین کے متعلق اس کا جود یہ تھا داخلی مخالفت میں اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ داخلی مخالفت بیرونی مخالفت اور حرمان کی نسبت زیادہ خطرناک تھی یا وہ اس بات سے مرعوب ہو گیا تھا کہ یہ نئے حریف اس کے بیروں میں سب سے داخلی مقام رکھتے تھے بلکہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ان لوگوں نے اپنے نئے خیالات کی تردید تحلیل نفسی کے آڑ میں شروع کی جس سے اندیشہ تھا کہ فرائڈ اور ان لوگوں کے نظریات گمراہ ہو جائیں گے اور یہ ممکن نہ ہے مگر تحلیل نفسی کا حقیقی نظریہ معلوم کیا جاسکے۔

فرائڈ نے کبھی تحلیل نفسی کی اہمیت کا کم اندازہ نہیں لگایا۔ یہ اس کے ذہن کی تحقیق تھی یہ اس کا بچہ تھا جس نے اس کے ذہن کے بلن سے جنم لیا۔ وہ جانتا تھا کہ آج تک انسان نے خود کو جاننے کے سلسلے میں جس قدر دریافتیں کی ہیں تحلیل نفسی سب سے زیادہ دور رس اور فیصلہ کن ہے۔ وہ

اسے اپنی سونے امانت اور مقدس فرض سمجھتا تھا کہ اسے ہر قسم کی ادنیٰ غلطیوں سے منزه اور صاف رکھے۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں ان جھک تھا اور ارادے کا پکا۔ غلام کی طرح سخت اور تیز اور کبھی کبھی اس کی غفلت کہیں پروری کی سرحد سے چلتی تھی۔

اس کے رفقاء میں ایڈلر، سٹیکل، ڈیگ اور ریک نے اس سے ملحد کی اختیار کی۔ ریک کا ہوا چنانہ سب سے زیادہ افسوسناک تھا۔ ریک میں برس تک فرائض کا معتد رہا۔ وہ اس مخصوص طبقے کا رکن تھا جس پر فرائض کو آخری دم تک اعتبار رہا۔ اس نے فرائض کو اس وقت چھوڑا جب اس کے مہلک مرض کی ابتدا ہو چکی تھی۔

یہ ملحد کی بعض بنیادی نظریات کے اختلاف کی وجہ سے تھی اور اس نے فرائض کی ذات اور حقیقی نفس کی نشوونما میں جو کچھ کیا اس پر برا اثر ڈالا۔ کافی ہنگامہ برپا ہوا سائنس دانوں کے علاوہ عام لوگ بھی ان اختلافات کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ تجزیہ نفس کی تحریک کے دشمنوں نے ان موقعوں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ ان کا خیال تھا کہ اعتقاد کے بعد یہ تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی۔ ہادی انظر میں تو یہ دکھائی دیتا تھا کہ یہ لوگ جو کل تک فرائض کے قریبی اور بھری دوست تھے اس کے مطلق انسانی یا بدفطرتی کی وجہ سے ہدا ہو گئے ہیں یہ حقیقت کے بالکل برعکس تھا۔ حالانکہ فرائض کے وفاداری کو کافی تعداد میں تھے۔ انہیں نظر انداز کر دیا گیا اور چند "سرخس جیٹوں" کے کہنے پر یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ سخت کیر، بد مزاج اور ظالم استاد تھا جو ذرا سی لغزش پر سرخس کرنے لگتا تھا۔ یہ الزامات لفظ تھے۔ فرائض تو اللہ ار سے اپنے تئیں دور رکھنا چاہتا تھا۔ اسے ہمیشہ کسی ایسے شخص کی تلاش رہی جس کے سپرد وہ تجزیہ نفس کی تحریک کی قیادت کر دے۔ سب سے پہلے اس نے یہ کام ایڈلر کے سپرد کیا۔ اس کے بعد ڈیگ کے اور پھر ریک کے ان کے چارے اختیارات تھے۔ یہ فعلی فرائض سے ہار ہار سرزد ہوتی رہی۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بادشاہ کو سب سے بڑا خطرہ اپنے ولی عہد سے ہوتا ہے فرائض کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ تجزیہ نفس کے مستقبل کو قابل اعتبار ہاتھوں میں دے۔ اس لئے اس کی قوم اس تاریخی حقیقت کی طرف نگلی۔ حالانکہ اسے صحیح تجربات بھی ہوئے۔ بہت سے انوکھے الجھاؤ آپس میں گنڈے ہو گئے اور صحیح نفسیاتی اور اک حاصل کرنے کے لئے کافی معاوضہ ادا کرنا پڑا۔

اس اختلاف اور غلطی کی ایک نفسیاتی وجہ بھی ہے۔ لاشعوری کاموں میں مسلسل مصروفیات ہانکل دیکھی ہی ہے جیسے کسی بچائی کی جس کے ذہن کو کبھی آرام کرنے کا موقع نہ ملے۔ ایسی حالت میں ایک تجزیہ کار کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ لاشعور کی تحقیقات کو اوجھڑا نہ چھوڑے بلکہ یہ دیکھے کہ اس کا تجزیہ نفس مکمل طور پر ہو گیا ہے۔ شروع میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ تجزیہ کار اپنا تجزیہ خود کرتے تھے۔ یہ عمل بہت دیرھا تھا اور ہر کسی کے لئے مفید بھی نہیں ہوتا تھا۔ صرف فرائضی مکمل طور سے تجزیہ نفس کر سکتا تھا۔ وہ اپنے رفیقوں کی اپنا تجزیہ آپ کرنے میں مدد بھی کرتا مشورہ دیتا لیکن خود ان کا تجزیہ کرنے سے انکار کر دیا کرتا۔ کیونکہ تجزیہ نفس کی دوران میں تجزیہ کرانے والا اپنی محبت یا نفرت تجزیہ کار پر منتقل کر دیتا ہے تجزیہ کرنے کی صورت میں اس تحریک کی ترقی کی راہ میں اور زیادہ رکاوٹیں پیدا ہو جاتیں۔ فرائضی حیثیت ایک باپ کی ہی تھی اور ان سرکش بچوں کی یہ حرکات باپ کے خلاف بغاوت نفرت ناراضگی اور دیکھنے کے مظاہرے تھے۔ ان کے بعد نوجوانوں کی نفی پیدا اور فرائضی کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس لئے ان میں یہ بغاوت نہیں رونما ہوئی۔ ان کا شخصی تجزیہ کرنا قبول بھی کر لیا کرتا تھا۔

فرائضی جب کسی میں اخلاص اور وفائی و پابندی کا فقدان دیکھتا تو اس کا رویہ ناقابل مصالحت ہو جاتا۔ وہ لوگ جو یقین اور بے یقینی کی درمیان حالت میں ہوتے وہ بھی انہیں منہ نہ لگاتا۔ اس سے بڑھ کر ان لوگوں سے وہ دور رہتا جو دشمنوں کی دشمنی یا دوستوں کی ناراضگی سے خائف ہو کر خداقت سے منہ موڑ لیا کرتے جہاں اُسے اخلاقی جرات کی کمی نظر آتی اُس کے ردِ عمل میں نہ صرف سرزدنش ہوتی بلکہ وہ انہیں حقارت سے دیکھتا۔ اس حقارت کے خلاف کوئی اپیل ہے کار تھی کیونکہ اس کی خاموشی کا دائم الفاظ کی طاقت سے زیادہ تلخ تھا۔ جب کسی سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی تو پھر تعلقات کا باقی رہنا ناممکن ہو جاتا۔ اگر اس کا رشتہ ایک بار کسی سے ٹوٹا پھر کبھی استوار نہ ہو سکا۔ اُس کے کسی رفیق یا ساتھ ہمار کوئی نازک وقت آ جاتا تو وہ اس کی امداد میں کوئی دریغ نہ کرتا لیکن مصالحت کے لئے وہ کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔

۷

فرائض کی شہرت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن خود فرائض اس شہرت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اس کا نام روشن ہوتا گیا۔ وہ اور زیادہ اپنے کام میں کھو گیا۔ اسے ایسی جگہوں میں جانے سے کبھی سر نہ ہوتی۔ جہاں اس کے نام کا دور شروع ہو جاتا۔ ایک بار کسی خانہ سے کسی نے پوچھا کہ ”کیا آپ فخر محسوس نہیں کرتے کہ آپ سے ملنے کے لئے اس قدر لوگ آتے ہیں۔“ اس کے جواب میں وہ کہنے لگا۔ ”اگر مجھے پہانسی پر لگایا جاتا تو اس سے یقین گنہگار یادہ لوگ مجھے دیکھنے آتے۔“ یہی مثال فرائض اپنے معلق بیان کیا کرتا۔

فرائض کی عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے اور اس عظمت کا باعث اس کی ذات کے ساتھ اس کا کام بھی تھا۔ اس کی شخصیت میں ایک ہر اسرارِ طاقت ضرور تھی۔ اور یہ طاقت ہر جہتیں کا خاصہ ہوتی ہے۔ سانپ ایک تحقیقات شروع کرنے سے قبل بھی اس کی ذات میں اس طاقت کے آثار ملتے ہیں۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ذات میں کوئی غیر معمولی شے تھی جس سے جنس نے جنم لیا۔ اور وہ عمر بھر اس میں جا کر رہی۔ ایک جرمن شاعر کے قول کے مطابق ”اس کا کام اس کی ذات کا صرف ایک حصہ تھا۔ اس کی ذات کا کام سے بہت زیادہ ارفع و بلند تھی۔“

فرائض نے ابھی تجزیہ نفس کی ابتدا کی تھی کہ ایک دن ایک مریض اس کے پاس مشورے کے لئے آیا۔ باتوں باتوں میں اس نے فرائض سے پوچھا کہ ”جب بچوں کو روٹی اور کیک دیا جاتا تو بعض بچے پہلے کیک کھاتے ہیں اور بعض پہلے روٹی۔ بھلا بتائیے کہ میں پہلے کیا کھاتا ہوں“ فرائض نے جواب دیا۔ ”روٹی“ یہ وہ جدائی بصیرت تھی جو اس کے اندر پہلے سے ہی موجود تھی۔ اب تو تجزیہ نفس کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ توہماتی نور میں کس کے مریضوں پر ایک حالت ایسی بھی ہوتی ہے جب وہ ہر قسم کی مسرت کو اخراج میں ڈالتے ہیں۔ اس واقعے کے برسوں بعد فرائض اس خاص حالت

پر تحقیقات کر سکا۔ جو بات اس نے پہلے ہی کہہ دی تھی۔

بہت سے ماہرین نفسیات ایسے گزرے ہیں جنہیں وجدانی طور پر قدرت کی طرف سے بعض صفات و دیعت کی گئی تھیں۔ ان پر بعض صدائقوں کا انکشاف بھی ہوا۔ لیکن وہ اس کے بعد رک گئے۔ انہوں نے یہ یہی کافی جانا کہ وہ ان نعمتوں سے سرفراز ہوئے ہیں لیکن ان انکشافات کو پرکھنا کر یہ تحقیقات کرنا اور اپنی ان ساری کادشوں کو حقیقت کے ترازو میں تول کر انہیں اس قابل بنانا کہ وہ ان سائنٹیفک نظریات میں داخل جائے بڑا مشکل کام ہے۔ اس کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو رکادشوں (Inhibition) سے آزاد ہو اور اچھی مضبوط ہو کہ وہ وجدان کی رو پر اس وقت قابو پا سکے جب اس کی جانچ پڑتال کی جا رہی ہو۔ ایسے میں ذہنی طاقتوں میں توازن قائم رہ سکتا ہے۔ یہ وہ اساس ہے جس پر حقیقی معنوں میں کسی منافی کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

فرائض کی ذات میں یہ متوازن ذہنی طاقتیں موجود تھیں۔ لاشعور کے مسئلے پر اس سے قبل بھی لوگوں کی تحریروں میں اشارے ملتے ہیں لیکن کسی نے اس پر تحقیقات نہیں کی۔ جب فرائض پر اس مسئلے کا انکشاف ہوا تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے اندر ایک رجحان طبع موجود تھا۔ جس نے نظریات بنانے شروع کر دیے اور آہستہ آہستہ ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی۔

فرائض کے خیالات کی رو جس راستے اور پگھڑی سے بھی گزری ہے اس میں دہراپن (Dualism) پایا جاتا ہے۔ تجزیہ نفس کی تحریک کی ابتدائی حالت میں فرائض اور بروئیر کے نظریات میں اختلاف ہے۔ بروئیر کے نزدیک مسو یا کا باعث عضویاتی تھا لیکن فرائض کے نزدیک نفسیاتی یہی وہ دہراپن تھا جس سے تجزیہ نفس نے جنم لیا اور سب سے پہلے جمنی دباؤ (Repression) سامنے آیا۔ یہ علامت تجزیہ نفس میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ دو مخالف قوتوں کے درمیان کشمکش کا نتیجہ ہے۔

دہراپن کا نظریہ بڑھتا بڑھتا زندگی پر حاوی ہو گیا ہے۔ اس کی ابتدا بعض رجحانات کی آپس میں کشمکش سے ہوئی تھی اور پھر حقیقتات یہاں تک پہنچی کہ فرائض نے دیکھا کہ عضویاتی زندگی کے ہر اعضاء میں جبلت حیات (Life Instwiteros) اور موت کی جبلت کے درمیان ایک مسلسل کشمکش رہتی ہے۔ ایک طرف زندگی اپنی نظر فریبوں سے کے ساتھ آگے بڑھتی ہے اور دوسری

طرف سوت اپنی خاموش نظروں سے پوشیدہ ہے پناہ قوتوں کے ساتھ زندگی کے مد مقابل کھڑی ہے۔ ان دونوں جہتوں کا میدان کارزار انسانی ذہن ہے۔ دونوں حریف مد مقابل کو بچاڑنے کے لئے نت نئے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ فرانڈ کی عمر بھر کی تحقیقات میں یہی مسئلہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس نے اس مسئلے کو سائنٹیفک طریق سے پرکھا ہے۔ وہ ساری روایات جو فوق والہ بشر قوتوں سے متعلق تھیں اور وجدانی خصوصیات جن کا وہ حامل تھا۔ جب تک سائنس کی کسوٹی پر رکھی نہ گئیں اس نے انہیں درخور اعتناء سمجھا۔ اُس نے اوراک کی شمع سے راستہ دیکھا اس کی نو اگرچہ کچھ بچی رہی لیکن اس نے کبھی اس کی پروانگی کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کتنی وسیع کائنات ابھی تک تاریکی میں ہے۔ اس لئے وہ اسی کو لئے آگے بڑھتا گیا۔ ”جہتوں کا ہمہ گیر نغمہ“ اُس کی توجہ کا مرکز بنا۔ لیکن دنیا کو اس نغمہ کے بجائے صرف اس کی چند سریریں سننے کی اجازت تھی۔ اس نے اس کے خلاف پر زور احتجاج کیا۔ ”تہذیب ایک حاکمیر مسرت کی منزل کی طرف جارہی ہے۔“ یہ ایک بہت بڑا اقرب نظر ہے فرانڈ اس سے متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے نہایت بے دردی سے اس کا پردہ چاک کیا اور بتایا کہ وہ بات جو ترقی کے راستے پر گامزن ہوتی ہے۔ جلد یا بدیر برائی کے چکر (Vicious Circle) پر ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے اندر شہوانی خواہشات ہیں جن پر ہماری تہذیب نے کڑی بندشیں لگا رکھی ہیں جھگڑاؤں اور کجائیاں کو تو زامروڑا جاتا ہے۔ یہی تہذیب کے بقا اور اس کی وسعت کا تقاضا ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ انسانی ذہن میں اس کے خلاف بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے اور ہلکا خرخرو تہذیب اپنے ہاتھوں آپ خود کٹتی کر لیتی ہے۔ تہذیب ہمارے اندر مقسب بن کر ضمیر کے روپ میں جاگزیں ہے۔

فرانڈ نے ذہنی زندگی میں باپ بیٹے کی کشش کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کی شخصیت کا مطالعہ کرتے وقت اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ فرانڈ نے خود اپنے خواب اور باپ سے تعلقات کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا ہے جہاں باپ کے متعلق محبت اور بغاوت چار حاشا اور مذاہنات جذبات کا کافی ذکر ہے۔ باپ کی وفات پر فرانڈ نے حقیقی محبت اور دینی رنج کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس نے باپ بیٹے کی کشش کے بارے میں بھی کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ”میں ابھی سات آٹھ برس کا تھا جب میرے باپ نے ایک بار میرے متعلق کہا کہ یہ لڑکا کسی کام کا نہیں ہو گا۔ یہ میری جتناؤں کو بری طرح کھلانا تھا۔ چنانچہ اس منظر کے اشارے بار بار میرے خوابوں میں

آیا کئے ہیں اور ان کے ساتھ خود میری دریافتیں اور کامیابیاں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ کو با میں خواب میں باپ کو جواب دیتا ہوں کہ بڑے میاں دیکھا آپ نے میں کسی کام کا آخر ہو ہی گیا۔“

فرائڈ کا باپ کا رو بار کرتا تھا۔ لیکن اس میں یہودیوں ایسی کاروباری قابلیت تھی۔ وہ عمر بھر مظلوم الحال رہا۔ اس کے خاندان کو ایک ایسے علاقے میں اقامت گزریں جوتا پڑا جہاں ادنیٰ متوسط درجہ کے یہودی رہتے تھے۔ فرائڈ لڑکپن میں بہت ذہین تھا اس لئے اس کے باپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے ہونہار بچے کو اعلیٰ تعلیم دلانے لیکن وہ اپنے خیالات سے مجبور تھا۔ فرائڈ چاہتا تھا کہ وہ ڈاکٹری کی تعلیم کے بعد ڈاکٹر بروک کی لہارٹری میں ساری عمر تحقیقاتی کام کے لئے وقف کر دے لیکن حالات سے مجبور ہو کر اسے یہ عزم ترک کرنا پڑا۔ اس کا باپ اس قابل نہ تھا کہ وہ مزید اخراجات کا ٹھیل ہو سکے بلکہ ضرورت تو یہ تھی کہ فرائڈ خود کائے فرائڈ کی تحریرات میں اس کا ذکر بھی آتا ہے کہ کاش اس کا باپ صاحب اقتدار اور کامیاب انسان ہوتا۔ اس سلسلے میں فرائڈ کی ایک بچپن کی یاد بہت دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”میری عمر کوئی دس بارہ برس کی ہوگی کہ میرے والد چہل قدمی کرنے جاتے تو مجھے ہمراہ لے لیتے۔ راستے میں ہاتوں ہاتوں میں وہ مجھے دنیا کے بارے میں اپنی رائے بتاتا کرتے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جب میں پیدا ہوا تھا اس تو وقت ان کی خانگی حالات زیادہ بہتر تھے۔ ایک بار انہوں نے مجھے اپنا ایک واقعہ سنایا۔“ جب ابھی میں نو جوان تھا تو میں ایک دن سیر کے لئے گیا۔ میرا لباس کافی اچھا تھا اور میرے سر پر نئی سموری ٹوپی تھی۔ اسنے میں ایک ”ناسک“ میرے سامنے آیا اور میری ٹوپی زمین پر گرانچھ سے مخاطب ہوا۔

”ارے یہودی بلا میرا راستہ چھوڑ۔“ اور یہ سن کر میں نے پوچھا۔ ”ابا آپ نے کیا کیا؟“ میں ایک طرف ہو گیا ٹوپی اٹھائی اور چل دیا۔“ اس نے نہایت غصائیت سے جواب دیا۔ مجھے یہ بات بری لگی۔ حالانکہ وہ شخص جو میرا چھوٹا تھا میرے چار ہاتھ دیکھنے میں کافی مضبوط اور بڑا معلوم ہوتا تھا۔ ایک اور جگہ وہ اسی موضوع پر یوں لکھتا ہے۔

”اتحاد و درواز کا سفر کرنا اور زندگی میں اتنا بلند مقام حاصل کر لینا۔ ایک زمانہ تھا جب مجھے یہ سب کچھ ناممکن نظر آتا تھا۔ اس کا باعث ہمارے حالات کی ناسازگاری اور تھکد تھی۔ یہ باتیں بچے کی تنقید سے تعلق رکھتی ہیں جو وہ باپ پر کرتا تھا۔ بچپن میں ہر بات کی قدر قیمت میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن میرے حالات میں اس کی جگہ کمی نے لے لی اور یوں اس قدر

قیمت کا اندازہ کم ہو گیا۔

اپنے باپ کی جانب فرائض کے رویے میں محبت اور نفرت کے جذبات کا اظہار ہے اُسے باپ سے محبت بھی تھی اور نفرت بھی۔ کیونکہ اس کا باپ اتنا طاقتور نہیں تھا۔ بھتاوہ خیال کرتا تھا اور جو کچھ اس نے فرائض کے متعلق کہا تھا کہ وہ کوئی کام نہیں کرے گا فرائض نے ثابت کر دیا کہ وہ دنیا میں بہت کام کر سکتا تھا۔ اس دور کو نہ کھٹکس کا عمل فرائض کی شخصیت میں نیا پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایک طرف مستقیمانہ اور شدید تقاداد اور یہ ہے اور دوسری طرف باپ کی عزت و احترام کا جذبہ چٹانچان کے درمیان جو کھٹکس ہوتی تھی۔ فرائض نے اُس کا عمل تلاش کر لیا تھا اور یہ عمل ہی اس کی شخصیت کے نئے پتھر کی حیثیت رکھتا تھا۔ فرائض کی محبت باپ پر مرکوز تھی۔ باپ کی موت کے بعد یہ جذبہ خصوصیت سے شدید ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے باپ کی جگہ اپنے بچپن کے دے دی جو اس سے بڑا تھا۔ جب ڈپٹی دہاکو دور کیا گیا تو جس قدر ذاتی حیرت و لا شعور میں موجود تھے ان کی ارتقا کی صورت دے دی گئی اور یہ صورت اس بالواسطہ طریق سے دیا ہوا چار حادہ رجان دوسری صورت اختیار کر گیا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ کبھی کسی پر اعتماد نہیں کرے گا۔ اُسے باپ پر اعتماد تھا مگر مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اس کا اعتماد جاتا رہا۔ اس تہیہ میں تیزی تھی اور ضد آگئی۔ اُس کی طبیعت کی ان صفات کو محض حادثہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس کے لا شعور نے اس کی زندگی کی اسی طرح تشکیل کر دی تھی۔ بچپن میں وہ جن حالات میں تھا وہی حالات بڑی عمر میں بھی موجود تھے۔ اب باپ کی جگہ اس کے ہم عصر تھے۔ جب اس نے تجزیہ نفس شروع کیا تو وہ بار بار کہتے رہے کہ ”یہ نوجوان کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔“ اور ہلّا خروہ کامیاب ہوا اور اس نے ثابت کر دیا کہ یہ سب لوگ جو کچھ کہتے تھے وہ غلط تھا۔

اگر کوئی شخص کسی بات کو منوانے یا ثابت کرنے کے لئے کسی بڑے آدمی کا نام لے دیتا تو فرائض کبھی اُسے قبول نہ کرتا۔ اس کے نزدیک ایسا کرنا ذاتی تسال، بزدلی اور بغیر کسی رحمت کے کسی بات کا فیصلہ چاہنے کے مترادف تھا جسے وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

فرائض کہا کرتا تھا کہ ہر شخص کو عدم یقین کا کچھ حصہ برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے یہ ہے بھی درست کیونکہ ہر سائنس کے نتائج میں کسی نہ کسی حد تک شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ ایک سائنس دان جو آزادہ طور پر نظر کرتا ہے اُسے اپنی مجبوریوں کا احساس ہونا چاہئے اور جب وہ اچھی

طرح ایک بات کو بار بار کر دے اور پوری پوری چھان بین کرے تو پھر اسے اپنے فیصلے پر مطمئن رہنا چاہئے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ اسے اس کا کوئی جواز بھی میسر آ جائے۔

اس زاویہ نگاہ سے ہمیں فرائڈ کے تقاضوں کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ یہ صفت اس کی زندگی میں ایک طاقتور قوت تھی۔ یہ تقاضا خود بخود اپنی خارجی چیز نہیں تھی بلکہ داخلی تھی اور اس میں تکبر شامل نہیں تھا۔ داخلی آزادی اور ذہن کی قیادت اور خطرناک "دنیاؤں" کا دریافت کرنا اسی خود بخود کا نتیجہ تھا۔ اس میں بے پناہ قوت عمل تھی اور جب اس میں خود بخود شامل ہوئی تو اس کے بعد حقیقت اور رویاؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہو گیا جس نے نئے نظریات اور حقائق سامنے آنے لگے۔

فرائڈ میں کام کرنے کی پابناہ قوت تھی اور وہ کبھی نہیں جھکتا تھا۔ پہلے پہل تو وہ خارجی حقائق کے مطالعہ سے اپنے مربطہ کائن کی تسکین کر لیا کرتا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد اس کی سائنٹیفک دلچسپیاں اسے فطریاتی اور حیاتیاتی حقیقتات کی طرف لے گئیں اس زمانے میں یہ موضوعات سب کی توجہ کا مرکز بن رہے تھے۔ چنانچہ اس کی ابتدائی چھان بین اعصابی نظام کی فیکٹ اور اعمال سے متعلق تھی۔ اگر حالات کا تقاضا نہ ہوتا تو وہ ساری عمر یہیں لہذا رری میں گزار دیتا۔ اس کی ابتدائی حقیقتات جو اس نے فطریات کے سلسلہ میں کی تھیں انہیں دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر وہ لہذا رری میں رہتا تو وہ دنیا کا سب سے مشہور فطریاتی ماہر ہوتا۔ لیکن کیا اس کی حقیقتات وہیں ختم ہو جاتی۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ وہ پھر بھی انہیں تکیج پر پہنچاتا۔ جن پر وہ اب پہنچا ہے۔ ہاں راستہ دوسرا ہوتا مگر منزل ایک ہی رہتی۔ اس کا ثبوت اس کی بعض کتابوں سے ملتا ہے جن میں حیاتیاتی تانا اور نفسیاتی پانا ہے۔

زندگی نے اسے دو دھاری نشر بنا دیا تھا جو نہایت نفیس فزکال دکھاتا تھا اور بہت سخت تھا۔ کمزور اور غرضاء یوں کے لئے اس کے پاس ذرہ بھر بھی ہمدردی نہ تھی۔ وہ بات کو کھلے طور پر کہتا پسند کرتا تھا۔ ایک شخص کے تعلقات فرائڈ سے برسوں دوستانہ رہے۔ پھر اس نے خودکشی کر لی۔ جب یہ اطلاع فرائڈ کو ملی تو اس پر ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اس کے نزدیک خودکشی کرنا زندگی سے فراق تھا۔ کام سے پہلو تھی تھی اس کا اصول تھا کہ جہاں وہ ضرورت سمجھتا اپنی شفقت ہے رو بلی ہو کر دیتا لیکن ترجمہ (Sentiments) خیرات کرنا اس کے نزدیک نادر تھا۔

آزادی، جرات اور خود بخود اپنی اس کے کردار کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ تینوں وہ زبردست

تو تمہیں تمہیں۔ جن کی روشنی میں اس نے "کیوں" کا جواب دیا ہے۔ یہ "کیوں" ایک ایسا سوال ہے جس کا حل ابھی تک نہ مذہب پیش کر سکا ہے نہ فلسفہ اور نہ سائنس۔ یہ سوال روزِ اولیٰ سے ذہن انسانی پر بری طرح مسلط ہے ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں اور ہمیں کیوں یہاں سے جانا ہوگا؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اگر اس کا مقصد مسرت ہے تو پھر وہ ہمیں میسر نہیں آتی ہے۔ جب ہم جان چکے ہیں کہ خوشی ہمارے بس کی بات نہیں اور خوشی کا وجود بھی متنازعہ فیہ ہے تو پھر کیوں اس دنیا سے ناہود نہیں ہو جاتے؟

فرائض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انسان کی جتنی بھی تکلیفیں ہیں اُن سے مسرت کو بچنا نہیں جاسکتا۔ اس نے ان تکلیفوں کو بغور دیکھا اور انہیں ناقص پایا۔ کہا جاتا ہے کہ زندگی کے معنی انسانیت سے محبت کے ہیں لیکن فرائض کو اس جان سے اختلاف ہے وہ کہتا ہے کہ "میری محبت اس قدر عزیز ہے کہ میں اسے غیر ذمہ دارانہ طور پر پرے نہیں پھینک سکتا۔" امید کہتی ہے کہ سائنس اور زمانے کی ترقی مل کر مسرت کے خازن اور راستے کو صاف کر دے گی اور پھر انسان مسرت کی دیوبلی کو حاصل کر سکے گا۔ لیکن اس کا یہ خیال نہیں۔ وہ تو کہتا ہے کہ تہذیب کی کوئی بھی صورت کیوں نہ ہو تعزیری اکساہٹ اس کے ضمیر میں موجود رہتی ہے اور زندگی کے دیوتا (Eros) کی ساری کوششیں موت کی جہلت کو مٹا نہیں سکتیں۔

اُس کی عمر کے آخری ایام بیماری میں گزرے دکھ درد اور ضعف اُسے گھیرے رہے موت کا سایہ اُس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اب اُسے نہ اپنے لئے کسی انعام کی توقع تھی اور نہ اُن کے لئے جن سے وہ محبت کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ برابر کام کئے جا رہا تھا۔

۸

ہم راز اور معتد ساتھی کی تلاش ہر انسان کو ہوتی ہے۔ فرانک نے انسانی فطرت اور ذہن کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے گرد کافی لوگ جمع ہونے لگے تھے ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑا۔ اس کا صدمہ اسے ایک عام دوستی کے ٹوٹ جانے سے بہر حال زیادہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہ تعلق قطع کرنے والوں کے اذہان کے پس پردہ ان ساری باتوں سے آشنا تھا۔ جن کی وجہ سے سب کچھ ہوا۔ بلاخر اس نے اپنے ساتھیوں میں سے چھ کو منتخب کر لیا اور یوں ایک حلقہ قائم ہو گیا جس کی حیثیت ایک خفیہ جماعت کی جی تھی اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ تجزیہ نفس کے سلسلے میں ہر کدومہ جو چاہتا تھا نیا نظریہ پیش کر دیا کرتا تھا۔ اب سے یہ حلقہ صرف اس سلسلے میں باقاعدہ تحقیقات کر کے نظریات قائم کرنے کا مجاز ہوگا۔ وہی اس تحریک کو وسعت دینے کی تجاویز سوچے گا۔ اور ان پر عمل کرے گا اس حلقے میں اور کسی ممبر کے اضافے کی گنجائش نہ رکھی گئی۔ اس حلقے کی تشکیل 1920ء میں بیگ کے مقام پر کی گئی۔

اس حلقے کے اراکین مختلف مقامات پر رہتے تھے۔ فرانک اور رینک وی آکس میں ابراہم، اینگن اور فیس برلن میں، فرانسی یوزاپٹ (ہنگری) میں اور جوزف لندن میں۔ ان سب کا تعلق خط و کتابت کے سلسلہ سے قائم تھا۔ خط و کتابت کے ذریعے یہ لوگ آپس میں اس خفیہ جماعت کی کارروائیوں سے آگاہ رہتے۔ تجزیہ نفس کی تحریک کے سلسلے میں جو کچھ بالمشافہ ہوتا تھا وہ اب تحریر ہونے لگا۔ اور پھر جب کبھی سب کا اکٹھے ہو کر کسی اجلاس میں شامل ہونا ضروری ہوتا ایسا بھی کر لیا جاتا۔ اس حلقہ کے اس کاروبار کا سلسلہ پانچ برس برابر چلتا رہا۔ چنانچہ اس تحریک کے یہ پانچ برس 1920-25ء بہت پرسکون گزرے۔ پھر ایک حادثہ رونما ہوا۔ رینک نے جس پر فرانک کو بہت زیادہ اعتماد تھا۔ ایک نیا نظریہ پیش کر دیا۔ اس

کاسب کو رنج ہوا۔ انہوں نے کڑی تنقید بھی کی۔ فرائڈ کا رد یہ ابتدا میں مصالحتاً نہ ہا۔ لیکن اس سے چنداں فائدہ نہ ہوا اور رینک اور تجزیہ نفس کے نظریات میں بعد ہوتا گیا۔ اسی دوران میں فرائڈ کا نامکمل اپریشن ہوا اور اس کے حالت تشویشناک ہو گئی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک سال سے زیادہ زندہ رہ سکتا ہے۔ رینک وی آئنا سے تبدیل وطن کر کے پیرس چلا گیا۔ ابراہم کی بے وقت موت نے حلقہ کی ایک اور کڑی کم کر دی۔ اس کے بعد کوشش کے باوجود خط و کتابت کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

اُس کے منہ کی بیماری (Carcinoma) پھر عود کر آتی۔ اس سے اس تخریک کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اس کے رفقہاء پر اس بیماری کا اثر ہوا۔ ایک ایسا شخص جو موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا اس سے باتیں کرنا آسان نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کا ذہن اس قدر بیدار اور صبر دست تھا کہ وہ باتیں کرتا۔ اُسے اپنے آخری وقت کی آمد محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ ہراساں نہ تھا۔ اس کی ذہنی قوتیں برقرار تھیں اور اس کی نئے علم کی تلاش برابر جاری تھی۔ گویا اس پر بیماری کا کوئی اثر ہی نہ تھا۔ یہ عرصہ کوئی معمولی نہ تھا بلکہ وہ دس برس کرب و بلا میں جتلا رہا اور تجزیہ نفس کی تحقیقات کرتا گیا۔

ستر برس کی عمر تک وہ خوب توانا رہا۔ مرنے اُس کی صحت پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس لحاظ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ آخری دم تک اسی طرح صبر دست رہے گا اور کافی طویل عمر پائے گا بے جا نہ تھا۔ پھر اس کی ماں جو اس سے بیس برس بڑی تھی اُس کی سترویں سالگرہ کے موقع پر زندہ تھی اور اس کے بعد وہ تین برس اور زندہ رہی۔ موت سے ایک برس پہلے وہ بالکل اچھی بھلی تھی اور اس میں کام کرنے کی طاقت بھی موجود تھی۔ چنانچہ جس صبح فرائڈ کی سترویں سالگرہ منائی جانی تھی اس سے پہلے رات فرائڈ اس خیال سے ماں کو ملنے گیا کہ مبادا وہ خود آنے کی زحمت گوارا نہ کر سکے۔ لیکن دوسرے دن غلی صبح میں نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ اس کی ماں تھی۔

سالگرہ منانے کے سلسلے میں وہ شان و شوکت اور نظاہری ٹیپ ٹاپ کا فائل نہ تھا بلکہ نہایت خاموشی اور بے تکلفی سے اس تقریب کو گزارنا پسند کرتا۔ اس سترویں سالگرہ کے موقع پر اُس کے رفقہاء بڑی تیاریاں کر رہے تھے لیکن اسی سال ڈاکٹر کارل ابراہم کی خفیہ حلقہ کارکن اور فرائڈ کا محبوب شاگرد تھا، بے وقت موت واقع ہوئی۔ فرائڈ نے یہ کہہ کر تیاریاں رکوا دیں کہ ”جب گھر میں

سمیت رہی ہو کوئی شادیانے نہیں بجاتا۔"

فرائڈ کو کھنگی ویک بن کر چاٹ رہی تھی۔ وہ گھلا ہار ہاتھ اور اس کی شہرت ناموری اور عزت برحق چاہی تھی دنیا کے لوگ اس مقام سے واقف ہو کر اسے خراج تحسین پیش کرنے آتے۔ اس کی دریافتوں نے انسانوں کو بلند کرنا شروع کر دیا تھا۔ فانی انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ انسانیت کے ہمدرد اپنے محسن کو پہچان رہے تھے۔ لیکن دوسری جانب دکھا اور درد اس بوڑھے انسان کو ان بلندوں سے جہاں وہ پہنچ چکا تھا دور لئے جا رہے تھے۔ وہ بوڑھا دنیا سے درد ایک گوشے میں دروسہتا اور کام کئے جاتا۔ وہ اس بات سے بے نیاز تھا کہ موت رنگتی ہوئی اس کی جانب بڑھتی آ رہی ہے۔

فرائڈ کو شبہ پھول بہت پسند تھے۔ یہ پھول عام مل جاتے تھے۔ لیکن اس کی بیگم نے سانوں کی محنت اور محبت سے اپنے ہاں کیا ریاں بنائیں اور ان میں پھول اگائے۔ چنانچہ سارا گھر انہیں پھولوں سے بھرا رہتا۔ جس کمرے میں جاپے یہ پھول گلدانوں کی زینت ہوتے آہستہ آہستہ فرائڈ کی توجہ ان کی طرف سے بھی ہٹتی گئی اور دو تین دنوں کے بعد یہ پھول پھینک دیئے جاتے۔ یہی حال اس کی شہرت کا تھا جو بہت دیر بعد سے صبر آئی۔ اگر چاہ وہ اس قدر فرائڈ تھی لیکن فرائڈ اس سے بے نیاز تھا۔

دنیا کو فرائڈ کا احساس ہو ہی گیا اور اتنا زیادہ ہوا کہ اس نام و نشان پر ہنسنے لگا۔ ہر نئی تحریر میں اس کا ذکر آتا طبعی محاسن میں تذکرے ہوتے اور اس دور کے دوسرے مفکرین نے اس کی جانب دوستی اور تعلقات کا ہاتھ بڑھایا۔ ان میں آئن سٹائن، ٹامس مان (نجرمن ادیب)، اور روڈین رولان (فرائیسی ادیب) کے علاوہ اور بھی نامور ہستیاں تھیں۔ سب سے زیادہ کامل ذکر یونان کی شہزادی میری یونا پارٹ تھی۔ لیکن یہ وہ زمانہ ہے جب وہ دنیا سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔

مذہ کی تکلیف کا علاج اپریشن ہی تھا۔ چنانچہ پہلا اپریشن اس کے ایک ہم جماعت پروفیسر نے کیا لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس کے بعد ماہرین ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ جڑے کی ہڈی کا کچھ حصہ نکال دیا جائے اور مصنوعی جڑے (Prosthesis) کے ذریعے کھانا اور پلانا ممکن ہو سکے گا۔ وی آئیکا کے مشہور ڈاکٹر پچلر نے علاج شروع کیا اور وہ فرائڈ کی عمر کو چند برس بڑھانے

میں کا سیاب ہو گیا۔

اس کے باوجود دبانے سے مسلسل درد ہوتا رہتا۔ جسے فرائڈ نہایت صحت سے برداشت کرتا۔ ایک بات ضرور تکلیف دہ تھی یہ کہ گفتگو کرتے وقت الفاظ پوری طرح ادا نہ ہوتے تھے اس سے سننے والوں کے سمجھنے میں غلطی ہوتی۔ اس کا احساس فرائڈ کو بری طرح تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ اپنے خاندان کے افراد کے علاوہ وہ صرف چند مخصوص لوگوں سے ملاقات کیا کرتا۔ کسی سامنے کھانا کھانے میں وہ ہچکچاہٹ محسوس کرتا۔ کیونکہ جڑے کی وجہ سے وہ اچھی طرح کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔

اس کی بیماری کو نہ نظر رکھ کر تحلیل نفسی کی مجالس اس کے ہاں ہونے لگیں۔ عموماً مہینے مہینے کے وقفے سے ہوتیں جن میں اراکین کو باری باری دعوت دی جاتی۔ ان مجالس میں خاص خاص اعلیٰ پائے کے مضامین پیش کئے جاتے اور ان پر فرائڈ کا تبصرہ ان مجالس کی جان ہوتا ایک مجلس میں کسی رکن نے اعلیٰ پایہ کا ایک مقالہ پڑھا جو فرائڈ کو بہت پسند آیا چنانچہ اس نے تعریف کی اور حاضرین کی توجہ ایک تصویر کی طرف دلائی جو آسٹریا کے مشہور مصور مودر نے تیار کی تھی۔ اس تصویر کا خیال ایک دکایت پر مبنی تھا جو یوں تھی کہ "شیطان نے ایک خدا و سیدہ بزرگ سے معاہدہ کیا کہ وہ گر جائے گا تو اس کے لئے سارے پتھر پھینک کرے گا چنانچہ تصویر میں دکھایا گیا تھا کہ شیطان بڑی بڑی چٹانیں اٹھا رہا ہے بزرگ لہاؤں پہنچے دو رکھڑا بڑی شان سے دعا مانگ رہا ہے یہی حال میرا ہے۔" فرائڈ نے کہا۔ "میں نے پہاڑوں کو کھودا ان میں سے اچھے اچھے کا رآہ پتھر نکالے انہیں کندھوں پر لادو اور اب اس سے ایک عمارت کی شکل نمودار ہونے لگی ہے۔ یہ کام بہت سخت تھا۔ بہر حال برا بھلا جو ہو سکا میں نے کیا۔ اب یہ آپ لوگوں کا کام ہے کہ آپ اس عمارت کو خوبصورت بنانے کے لئے جو رنگ روغن پسند کریں۔ اس سے اسے حزمین کریں۔"

یہ تقریبی الفاظ اس مصنف کے لئے باعث افکار رہے لیکن ان الفاظ کے پس پردہ کتنی طوفانی زندگی کے آخری ایام میں فرائڈ میں ایک اور نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ اس کے تعلقات انسانوں سے کم ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی جگہ کتوں نے لے لی۔ وہ عمر بھر بھی کتے کا زیادہ شوقین نہ تھا۔ ہاں وہ ایک کتے کا واقعہ بار بار بیان کیا کرتا تھا۔ اس کے ایک مریض کا چینی نسل کا کتا تجزیہ

فلس کے درمیان کمرے میں آ جایا کرتا تھا۔ فرائڈ اس کی ذہانت کا بہت قائل ہو گیا۔ جونہی کتا اور مریض کمرے میں داخل ہوتے۔ کتا ایک خاص جگہ پر جا کر بیٹھ جاتا۔ ٹھنڈ بھر جب تک تجزیہ فلس کا عمل جاری رہتا کتا وہاں بیٹھا رہتا۔ کیا محال کہ اس عرصہ میں اس کے منہ سے کوئی آواز بھی نکلے۔ جونہی وقت ختم ہونے کو آتا کتا اپنی جگہ سے اٹھتا اور آقا کے قریب آ کر اسے یوں دیکھنے لگتا جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔ بس سمجھتے اب کافی ہو چکا اٹھنے چلیں۔

فرائڈ کی بیٹی انا کتوں سے پیار کرتی تھی۔ اس کے پاس اپنا ایک البیشن (Alcation) نسل کا بڑا کتا تھا۔ یہ کتا اگرچہ بہت خوبصورت تھا لیکن کافی بڑا تھا اور شور بھی مچاتا تھا۔ فرائڈ بجائے اس کے اس شور سے تنگ آتا اس کتے سے مانوس ہو گیا اور اس کی شرارتوں سے لطف اندوز ہوتا۔ اسی دوران میں یونان کی شیرادی میری (جو پولین کے بھائی لوسٹین کی پوتی تھی) اس کے شاگردوں کے حلقے میں شامل ہو گئی وہ تحقیقات کے سلسلے میں بہت اچھا کام کر رہی تھی اور اسے اکثر فرائڈ کے ہاں آنا جانا پڑتا۔ اس نے بھی اس چھٹی نسل کے کتے کی کہانی (جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) سنی۔ اسے خود بھی اسی نسل کے کتوں سے پیار تھا اور اس نے فرائڈ کو اسی نسل کا ایک کتا بطور تحفہ دیا۔ یہ کتا شیرادی کا اپنا تھا اور سارے ”شای آداب“ سے واقف تھا۔ فرائڈ کو یہ کتا بہت محبوب ہو گیا۔ جب اس کی نسل پھیلی اور پلے پیدا ہوئے تو وہ یوں دکھائی دیتے جیسے دھماکے کے اُلھے ہوئے کچے ہوں۔ فرائڈ انہیں پیار کیا کرتا۔ اب تو یہ اس کے ساتھی بن گئے اور ان کے بغیر فرائڈ کبھی اکیلا نہ رہتا۔ گھنگو کے دوران میں یا اسے کتنا ہی درد کیوں نہ ہو رہا ہو وہ کتوں سے توجہ نہ دیتا تھا۔ انہیں دیکھنا ان کے راج کا خیال کھتا اور پہلے وہ جہاں اپنی انگشتری سے کھیلنا کرتا تھا اب ان کتوں سے کھیلنے لگا۔

عمر کا کارواں چلا جا رہا تھا۔ ہر نئی منزل اس کے دکھ درد میں اضافہ کا موجب بنتی اور آخری منزل قریب تر آ رہی تھی۔ اس کے اعزاء و اقارب ہر ممکن کوشش کرتے کہ اسے آرام پہنچائیں۔ انہوں نے خدمت گذاری میں کوئی کسر نہ اٹھائی۔ لیکن عمر پر کسے اختیار! ان ساری تکالیف کے باوجود فرائڈ کے اندر جس چیز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ وہ اس کا کام تھا۔ وہ برابر سننے سننے خیالات اور نظریات کی جستجو میں لگا رہتا۔ اسے حق و صداقت کی تلاش تھی اور وہ حقیقت اور شانہ اصلیت میں امتیاز کر رہا تھا۔

آخری ایام میں اس نے حضرت موسیٰ پر ایک تحقیقاتی کتاب لکھی جس کا نام ”موسیٰ اور وحدت پرستی“ (Moses & Monotheism) ہے۔ یہ کتاب 1936ء میں لکھی جا رہی تھی۔ یہ اس کی عمر اسی واپس سال تھا۔ اس زمانے میں اس کی شہرت کا اعتراف دنیا جہاں کے ”نمائندہ لوگوں“ نے کر لیا تھا جن میں بڑے بڑے سائنس دان ادباء مصنفین اور فن کار شامل تھے۔

دو برس بعد اُسے وہی آنکھ کو چھوڑنا پڑا۔ ایک جلاوطن کی حیثیت سے اس نے اس شہر کو خیرباد کہا جہاں اس نے اپنے کام کی ابتداء کی تھی اور جہاں اس نے کام ختم بھی کر دیا۔ یہ حادثہ عظیم تھا لیکن جب یہ واقع ہوا تو فرائد کو نہ پریشانی ہوئی نہ حیرت!۔

تاریخ طوفان ناکہانی بلا کی طرح اٹھا اور آسڑیا پر چھا گیا۔ بظہر کے لکھنے نے چڑھائی کی اور ساری دنیا دیکھتی رہی۔ اس بلائے عظیم نے وہ ساری بندھیں توڑ پھینکیں جو ایک مہذب قوم روا رکھتی ہے۔ وہ بیٹا اور طوفان کی طرح پھنکارتے پڑھتے گئے۔ وہشت ہندی نازیوں کا خاصہ تھا اس کا خوب خوب مظاہرہ کیا گیا۔ جرمنی میں جو مظالم ان لوگوں نے پانچ برسوں میں کئے تھے۔ یہاں چند دنوں میں ان سے بڑھ کر مظالم ہونے لگے۔

آسڑیا پر حملہ ہونے سے قبل ہی فرانڈ حالات کی نزاکت سے باخبر تھا۔ کیونکہ برلن کے چوک میں اس کی تصانیف نذر آتش کی گئی تھیں اور اس کا نام نازیوں کے معتمدین کی صف اول میں تھا۔ فرانڈ کے علاوہ اور بہت سے مفکرین اور اوباء کی کتابیں جلائی گئیں۔ جب اس کی اطلاع فرانڈ تک پہنچی تو اس نے نہایت سکون اور قہر سے اس خبر کو سنا اور بولا کہ "اچھا تو ہوا کہ جلتے میں مجھے میرے بہترین ساتھی میرا آئے ہیں۔"

فرانڈ اصحاب اور رفیق اس خطرناک صورت حال سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ اسے کسی ایسے ملک میں جانے پر آمادہ کر لیں جہاں نازیوں کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ لیکن اس نے یہ غشی کش رد کردی۔ وہ وی آٹھا کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے حالات کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا اور پھر اپنے مخصوص انداز میں اس پر کار بند رہا۔ اس پر کسی قسم کے خوف کا اثر نہیں تھا۔ یہاں اس کے کردہ لوگوں کی باتوں پر کان دھرتا اور افواہوں سے ہراساں ہوا کرتا وہ اپنے کام میں لگا رہا۔

بظہر کے طوفانی دہستے بہت بے دردی سے یہودیوں کے گھروں کے اندر گھس آتے اور سفاکا نہ حرکتیں کرتے۔ امیروں کو لوٹنے اور غریبوں کو سٹاتے۔ قتل و غارت ان کا کھیل تھا اور لوٹ

کھسٹ اُن کا جنگلی کارنامہ۔ یہ لوگ انسانیت سوز افعال کے مرتکب ہو کر خود انسانیت کو شرمندہ کر رہے تھے۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔

اس دوران میں فرانڈ کی صحت پر بہت برا اثر ہوا۔ وہ بالکل بدل گیا اس کا جسم مرجھا گیا آنکھیں اندر کو جھنس گئیں اور بھنڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گیا۔ اُسے نازیوں کا ڈر نہیں تھا بلکہ اپنی عمر بھر کی کمائی کے ضائع ہو جانے کا خوف تھا۔ اس نے انسان کو انسان کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے تحلیل نفسی کو اور تنہائی منازل سے گزرا۔ اب اس کی ساری محنت مٹی میں مل رہی تھی۔ اُسے جرمن قوم پر نفوس بھی تھا کہ ان کی اکثریت کو کیا ہو گیا تھا۔ جرمن ذہین لوگ تھے۔ اُن کی ذہانت کیا ہوئی۔ وہ تو ذہانت استعداد اور قوت فیصلہ میں دنیا بھر میں نامور تھے۔ ایسے نازک حالات میں اس کی بذلہ سبھی باقی تھی۔ ایک دن اس نے باتوں باتوں میں کہا ”ٹیکسپیئر نے اپنے ڈرامہ (Mid-Summer Nights Dream) میں ایک عورت کو گدھے سے عشق کرتے دکھایا ہے۔ لوگ عموماً اس پر حیران ہوتے ہیں لیکن ڈراما خیال تو کیجئے کہ ساڑھے چھ کروڑ انسان ایک..... اس نے ہاتھ کی حرکت سے فقرہ پورا کر دیا۔

جب حالات زیادہ خراب ہونے لگے تو فرانڈ کے خاص دوستوں میں سے ایک ڈاکٹر ارنسٹ جونز لندن سے اور یونان کی شہزادی میری جیس سے دی آگیا پہنچے۔ ان کا ایسے حالات میں دی آگیا آنا خود ایک خطرناک جرات تھی۔ دی آگیا میں سسر اور اچھی برکتیں بھی پارک سے آ کر فرانڈ کے ہاں رہ رہی تھیں وہ بھی جونز اور شہزادی میری کے ساتھ مل کر فرانڈ کی حفاظت کرنے لگیں۔ ان تینوں نے اپنے اپنے ملکوں کے سفیروں پر زور ڈالا کہ وہ فرانڈ کی حفاظت کے سلسلے میں ان کی امداد کریں۔ لیکن فرانڈ چونکے سڑیا کا باشندہ تھا اس لئے وہ اس کو اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے تھے۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ ایک سفیر کی قیادت سے فرانڈ زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنے سے محفوظ رہا۔

اس میر آرمادور میں فرانڈ تو برابر کام کرتا رہا اور اس کی بیوی اُس کی حفاظت اور نگرانی میں مصروف رہی۔ اس عورت میں بھی قبل اور کام کرنے کی کافی قوت تھی۔ ایک دن طوفانی دستے کے چند سپاہی ان کے اندر گھس آئے بیگم فرانڈ نے بڑی ہر باری اور نرم لہجے میں ان کا استقبال کیا اور انہیں کرسیاں پیش کیں۔ یہ سب کچھ اس قدر پر غلوں طریق سے ہوا کہ نازی تلکے گھبرا گئے۔ کیونکہ ایسے دنوں کسی کامیوں خاطر تواضع سے پیش آنا غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ گھر کا سامان

بچ گیا۔ چاندی کے برتن اور دوسری قیمتی اشیاء اسی کمرے میں رکھی تھیں۔ جہاں وہ بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے گھر کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پانچ ہزار آسز وی شلنگ کا مطالبہ کیا۔ یہ نکلر بیگم فرانز اپنے خاوند کے کمرے میں گھس گئیں۔ جہاں وہ بیٹھا کھڑا تھا اور اُسے صرف اتنا بتایا کہ باہر طوفانی دستے کے سپاہی روپے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فرانز نے یہ سنا اور ذرا سر اوپر اٹھا کر بولا "مجھے تو آج تک کسی نے ایک ہار جانے کی اتنی رقم نہیں دی" اور پھر کام میں لگ گیا۔ بیگم نے رقم ادا کر دی۔

اس کے کلکسین کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور حکومت انگلستان نے اُسے اپنے ہاں چلے آنے کی دعوت دی ضروری اجازت نامہ بھی مل گیا۔ لیکن پھر بھی نازیوں کے ہاتھ جو کچھ آیا انہوں نے ضبط کر لیا۔ فرانز کا پبلشنگ ہاؤس۔ کیننگ اور دوسرے سارے ادارے جین لئے گئے۔ بڑی مشکل سے شہزادی میری نے بے بہا قیمت دے کر فرانز کا عجائب خانہ اور لاہریری خرید لی اور یہ سارا سامان انگلستان اس کے ہمراہ لایا گیا۔ جس قدر کتابیں بچیں پڑی تھیں انہیں برہادر کر دیا گیا۔ اس سے نازیوں کی سیری کب ہوتی تھی۔ فرانز کی لڑکی انا فرانز تو گستاخ پولیس کے صدر مقام میں بلوا کر اپنے اوی گئی اور اُس سے دریافت کیا گیا کہ ان کی دولت کہاں ہے جب یہ حربہ کار گرفت نہ ہوا تو فرانز کے بیٹے ڈاکٹر مارٹن فرانز کو عظیم کا نشانہ بنایا گیا۔ اُسے کہا گیا کہ ان کی جس قدر کتابیں باہر گئی ہیں انہیں واپس منگوائی جائیں ورنہ فرانز کے خاندان کو انگلستان جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ بڑی مشکل سے یہ کتابیں اکٹھی کی گئیں۔ انہیں بھی چلایا گیا اور یوں نازیوں نے اپنے دل کی حسرت نکالی۔ اُن کا خیال تھا کہ فرانز کے ساری تصانیف جل گئی ہیں اس کی تحقیقات کا سارا مواد تباہ ہو گیا ہے۔ ان کی جائیداد ضبط ہو گئی ہے اور گویا تجربہ نفس کی تحریک کو ہلایا میٹ کر دیا گیا ہے۔

فرانز جب جیس پیچھا تو امریکہ کے سفیر صفیہ جیس نے اس کا استقبال کیا۔ انگلستان نے انسانیت کے اس عہد کی راہ میں آنکھیں پھٹائیں حکومت اور سائنٹیفک اداروں نے جیس کے شایان شان اُس کی تعظیم کی۔ اس کی آمد کے چھپے کئے گئے۔ جب وہ ان تکلفات سے فارغ ہوا تو فوراً اپنا کام شروع کر دیا اور اب اس کا مکان 19 برگ کی بجائے 20 مارشیلڈ گارڈز تھا۔

انگلستان کے آسمان پر جنگ کے یاد دل پہ چارہ ہے تھے۔ سارا ملک آنے والے خطرے سے

پریشان اور سراسیمہ تھا۔ خطرے کے الارام طلبارہ جنکمن تو ہیں ہر جگہ نصب تھیں۔ ساری دنیا جنگ کی ہولناکیوں کے انجام سے لرز رہی تھی۔ لیکن فرانڈ کے ارد گرد کا ماحول پھر بھی پرسکون تھا۔ اس کا یہ گھر بہت آرام دہ اور ہوادار تھا۔ اس کے کمرے دی آئنا والے گمرے بہت بہتر تھے۔ گھر کا باغ اگرچہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ لیکن اس کا لان بہت نفیس تھا۔ دیواروں پر بوڑھے درختوں کے سائے ماحول اور بھی پرسکون بنا رہے تھے اتنا فرانڈ بچوں کی نفسی تحلیل پر کام کرنے میں مصروف تھی۔ بظاہر یہ نئی زندگی بہت آرام دہ معلوم ہوئی تھی لیکن اس کے پیچھے ایک ہیبت ناک حقیقت کھڑی تھی۔ وہاں رہتی تھی۔ مسلسل دکھ اور درد فرانڈ کے گرد منڈلا رہا تھا اور اس کے پاس موت کا فرشتہ وقت کا خطرہ تھا اس کے منہ کا درد ناقابل برداشت ہوتا گیا۔ رات بھر وہ جاگتا رہتا۔ دن میں ایک آدھ گھنٹہ کبھی اُسے اُدگھ آ جائے تو آ جائے۔ باغ میں اس کے لئے ایک آرام بھی ہوتی جس پر وہ پہروں بیٹھا رہتا۔ اس بیماری نے اُسے نور بھی نحیف بنا دیا تھا بولنا اس کے لئے دُور بھر تھا لیکن جب کبھی درد کا آفاقہ ہوتا اور اس میں ذرا سکت آتی وہ کچھ نہ کچھ کام کرنے لگتا۔ غلطوں کا جواب تو وہ ضرور خود دینے کی کوشش کرتا۔

درد بڑھتا گیا اور پلا خردہ مقررہ وقت آ گیا جس کا خطرہ فرشتہ اجل کھڑا تھا اور وہ اس دنیا سے سدھارا۔۔۔۔۔ وہ جا چکا ہے مگر اس کی روح زندہ ہے اور آج اس کی روح انسان کی بہتری کے لئے برابر اپنا کام کئے جا رہی ہے۔



نظريات

پس منظر

تجسس انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ انسان نئی چیزوں کی دریافت میں لگا رہتا ہے لیکن جب کوئی نیا تصور سامنے آتا ہے وہ خود اس کی مخالفت کرتا ہے بعض اوقات مخالفت بہت خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ خاص طور پر جہاں معاملہ جذبات کا ہو اور اس کا رویہ اس کی فطری تجسس میں روک بن جاتا ہے۔ سنگٹہ فرائڈ نے پہلے پہل جب اپنی تحقیقات شائع کیں تو اس کی مخالفت خطرناک حد تک کی گئی۔ وہی فرسودہ اعتراضات دہرائے گئے کہ ”یہ نئے نتائج ذلت آمیز ہیں۔ مادہ پرستی کے مترادف ہیں۔ لہذا خیالات کے حامل ہیں۔ انسان کو اس کے بلند مقام سے نیچے گرا دیں گے۔“ اس کی نظروں میں خود اپنی عزت نہیں رہے گی۔ وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھے گا۔“ یہ سب کچھ جمالیات، روحانیات، اخلاقیات اور مذہب ہے جسے انسان دل و جان سے عزیز جانتا ہے۔

مشہور انگریز شاعر کیلس کوڈر تھا کہ اگر طیف (Spectrum) کے ذریعے قوس و قزح کے رنگوں کو دیکھا گیا تو اس سے جمالیاتی لذت مفقود ہو جائے گی۔ اس کے خیال میں قوس و قزح سے اس صورت میں لذت اٹھائی جاسکتی تھی کہ اس میں ایک اختصار ہے جوں ہی یہ اخفا جاتا رہا لذت بھی ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ کسی سائنس دان نے یہ محسوس نہیں کیا کہ سائنس کی روشنی میں دیکھنے سے کائنات کی حیرت انگیزیاں کم ہو جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے جس قدر علم بڑھتا ہے سائنس دان محسوس کرتے ہیں کہ وہ بہت کم جانتے ہیں اور ابھی بہت کچھ جاننے کے قابل ہے۔ فلکیات (Astronomy) سے ستاروں کی دلکشی کم نہیں ہو جاتی۔ واہمہ جہالت سے ختم لیتا ہے لیکن اس کے باوجود آدمی واہمہ اور جہالت سے چٹارہ جتا ہے۔ تجزیہ نفس ان واہموں کی اصلیت پر روشنی ڈالتا ہے اور اخفا (Mystery) اور جہالت کی گہرائیوں میں جھانکتا ہے۔

ذہن اب تک سائنس کی دھڑ سے باہر سمجھا جاتا تھا لیکن اب سائنس کے اصول اس کو سمجھنے میں استعمال کئے جانے لگے ہیں۔ اس سے جو انکشافات ہوئے ہیں وہ اتنے حیرت انگیز ہیں کہ زندگی کی ساری قدریں بدل دیتے ہیں۔ شخصیت ایک نیا روپ لے لیتی ہے اور ذہن کی گہرائیوں میں سے ایسی ایسی گہناؤں کی اور سخی شدہ صورتیں ابھر آتی ہیں جو چھپ چھپ کر ہماری زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔

ہر سائنس کی تکمیل میں ایک عمر صرف ہوتی ہے چنانچہ سمند فرائڈ کی زندگی بھر کی انتھک کوششیں توقعات اور تجربات تجزیہ نفس کی تکمیل کا باعث بنے۔ اس میں اس کے ہاؤٹا گمروں کی بحثیں بھی شامل ہیں۔ تجزیہ نفس کے ارتقاء کی مطالعے میں ہمیں ایک اور شخصیت کا تعارف ہوتا ہے۔ یہ وی آنا کا مشہور ڈاکٹر جوزف براؤنر ہے جس نے ایک مریض کے علاج کے دوران میں بعض ایسی علامتیں دیکھیں جن پر تجزیہ نفس کی عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔

”یہ مریض لے ایکس برس کی نہایت عقل مند لڑکی تھی جس کی دائیں ہاتھ اور پاؤں پر سخت فالج کا حملہ ہوا۔ اس کے ساتھ فقدان احساس (Anaesthesia) بھی تھا۔ بعض اوقات بائیں ہاتھ پاؤں پر بھی بھی اسی طرح کا حملہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی آنکھوں کی حرکات میں خور پیدا ہو گیا تھا اس کی بنیائی کمزور ہو گئی تھی۔ اس کا سر بے قابو ہو گیا تھا۔ اس کو کالی کھانسی تھی۔ کھانا کھاتے وقت اس کی طبیعت مائل کرتی تھی اور ایک دفعہ تو وہ ہفتوں پانی نہ پی سکی۔ باوجود اس کے اس کو سخت پیاس لگتی تھی۔ اس کی قوت گویائی بہت کم ہو گئی۔ اس نقص میں اتنی ترقی ہوئی کہ وہ اپنی مادری زبان نہ تو بول سکتی تھی اور نہ سمجھ سکتی تھی۔ ان تمام اختلافات کی انجاء اس پر ہوئی کہ اسے ”غائب دلی“ (State of absent) کہتے تھے۔ اس کے دماغ میں اشتکار و جٹا بندیان نے اس پر قبضہ جما لیا۔ مختصر یہ کہ اس کی تمام شخصیت بدل گئی۔“

جوزف براؤن نے اس مریض کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار شروع کیا۔ شروع شروع میں اس کی سمجھ میں نہ آ پا کہ وہ اس کی مدد کس طرح کر سکتا ہے۔ لیکن یہ کام اس کے لئے عائد بہت آسان تھا کیوں کہ اس مریض کا ذہن اور اس کی سیرت بہت اعلیٰ قسم کے تھے۔ اس نے بہت جلد فرائیڈ کا ایک ٹیچر جو اس نے کھارک یونیورسٹی میں دیا تھا۔ اقتباس ”نفسیات قاسمہ“ مترجم پروفیسر معتقدہ ولی الرحمن سے لیا گیا ہے۔

اپنے ہمدردانہ مشاہدے سے ان وسائل کو دریافت کر لیا جن سے پہلی مدد ممکن ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ مریضہ "غائب دلی" یا اپنے نفسی تقیر کی حالت میں کچھ غنائوتی ہے۔ یہ ان متلازمات سے پیدا ہونے والے الفاظ ثابت ہوئے جن میں اس کا خیال منہمک و مصروف رہتا تھا۔ برائے نام ان الفاظ کو اخذ کیا اور ان پر چنانچہ غم کی حالت طاری کر کے ان کو اُس کے سامنے دہرایا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی متلازمات فی الواقع موجود ہیں تو ان کا احیا ہو جائے۔ مریضہ نے اس کے ایثار (Suggestion) کو قبول کر لیا۔ اور اس سے ان نفسی تخلیقات کا احیا ہوا جو اس کے "غائب دلی" کے زمانے میں اُس کے خیالات پر منحصر تھیں۔ یہ تخلیقات حدود و گیراور پر اندوہ تھے اور جن میں اکثر شاعرانہ حسن تخیل کی شان نظر آتی تھی۔ ان کو ہم بیداری کے خواب بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ عموماً اس لڑکی کی حالت سے شروع ہوتے تھے جو اپنے باپ کے بستر علالت کے پاس بیٹھی ہے۔ جب وہ اس قسم کے چند تخلیقات چنان کر دیتی تو گویا وہ آزاد ہو جاتی اور اپنی طبیعتی زندگی کی طرف عود کر آتی تھی۔ یہ حالت صحت کے بعد کی کھینٹ تک پاتی رہتی لیکن اگلے ہی دن "غائب دلی" کی نئی حالت پیدا ہو جاتی۔ یہ بھی نوزائیدہ تخلیقات کے چان کر دینے سے ختم ہو جاتی تھی اس خیال کا پیدا نہ ہونا ناممکنات سے تھا وہ نفسی تقیر جس کا اظہار "غائب دلی" کی حالتوں میں ظاہر ہوتا تھا ان جسمیات اور بیجا بات کا نتیجہ تھا جو ان حدود و جذباتی تخلیقات سے پیدا ہوتے تھے۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ مریضہ اپنی اس بیماری میں صرف انگریزی زبان بولتی اور سمجھتی تھی۔ اس نے خود اس طریق علاج کا نام علاج بالکالمہ (Talking Curs) رکھا تھا اور وہ مزاحاً اس کو "دود کش صاف کرنا" کہتی تھی۔

اس تمام واقعے سے برائے نام اُس حقیقت کی طرف منتقل ہوا کہ اس خیز یہ روح سے بار بار نمود کرنے والے "ذہنی" بادلوں کے عارضی دفعیے کے علاوہ اور بھی کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے اس کو خیال آیا کہ اگر چنانچہ غم کی حالت میں مریضہ کو وہ صورت حالات اور وہ تمام تلازمی رد اہل یاد دلائے جا سکتے ہیں جن سے اس مرض کے تمام آثار پہلی مرتبہ پیدا ہوئے تو یہ آثار غائب ہو جائیں گے۔ حالات یوں تھے۔

ایک گرمی کے موسم میں سخت گرمی پڑ رہی تھی اور مریضہ کو پیاس کی سخت تکلیف تھی کیونکہ بغیر کسی ٹاہری علت کے وہ اچانک پانی پینے کے نا قابل ہو گئی وہ پانی کا گلاس اپنے ہاتھ میں لیتی

لیکن جوں ہی اُسے منہ کے پاس لے جاتی وہ اُسے اس طرح پیچک دیتی گویا اُسے پانی سے ڈر لگتا۔ ظاہر ہے کہ ان چند سیکنڈ کی مدت میں وہ "غائب دلی" کی سی حالت میں ہوتی تھی۔ اس حالت میں وہ صرف تربوز و طیرہ کھاتی اور ان ہی سے اپنی پیاس بجھاتی تھی۔ یہ حالت کوئی چھ منٹے باقی رہی کہ ایک دن چٹانزیم کی حالت میں وہ اپنی انگریز گورنرس (Governess) کا ذکر کر رہی تھی جس سے اُسے سخت نفرت تھی۔ سب سے آخر میں اس نے بیان کیا اور گراہٹ اور نفرت کی ہر علامت سے اپنے بیان کی تائید کی کہ ایک دن میں اس کے کمرے میں گلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ اس کا چھوٹا سا کتا جس نے مریشہ ڈرتی تھی گلاس میں پانی پی رہا ہے۔ آداب مراسم سے اس نے اس حادثے کا کسی سے ذکر نہ کیا اب جبکہ وہ اپنے رکے ہوئے اور بے ہوشے غصے کا ہر جوش اظہار کر چکی تو اس نے پانی مانگا اور بلا تکلف و تکلیف بہت سا پانی پی گئی۔ جس وقت وہ اس حالت سے بیدار ہوئی اُس وقت اُس کے لبوں پر گلاس کا کنارہ تھا۔ اس کے بعد یہ سب علامات مستحکم ہو گئیں۔

اس سے قبل کسی ڈاکٹر نے ہسپتال کی علامات کا اس طرح علاج نہ کیا تھا یا کوئی ڈاکٹر اس کی علت کے تفہیم کے اس قدر قریب نہ پہنچا تھا۔ اب اگر یہ توقع پوری ہو سکتی کہ باقی دیگر بلکہ شاید اکثر دیگر علامات بھی اس طرح پیدا ہونے اور ان کا علاج اسی طرح ہو سکتا ہے تو یہ ایک بہت بڑا زبردست بار آور انکشاف ہوتا۔ برائے نے اس طرف سے اپنا اطمینان کرنے میں کوئی وقت نہ اٹھا رکھا اور وہ دیگر سنگین علامات کی مرضیاتی پیدائش (Pathogenesis) کی زیادہ باقاعدہ تحقیق کرنے لگا۔ بلاخر اس کی توقع پوری ہوئی۔ تقریباً تمام علامات بالکل اسی طرح پیدا ہوئی تھیں۔ یہ تاثری تجربات کے باقیات تھے یا چاہو تو ان کی چھٹ کہہ لو۔ اسی وجہ سے بعد میں نے ان کا نام "نفسی جراحات" (Psychic Trauma) رکھا۔

میں نے اس وقت تک ہسپتال کے صرف ایک "اوٹ" کی پیدائش کا حال بیان کیا ہے کہ یہ اس بات نتیجہ تھی کہ کتنے نے گلاس میں پانی پی لیا تھا اور اُس نے اس سے پیدا ہونے والے جذبات کے اظہار کے بجائے انہیں دبا دیا تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ سامعین اس کے علاوہ ہسپتال کے دیگر آثار کے متعلق بھی اسی بیان کے سننے کے لئے بے قرار ہیں لیکن میں بہت سی مثالیں بیان نہیں کر سکتا بہر حال سامعین کی تسکین اور ان کے اطمینان کے لئے صرف ایک مثال اور بیان کئے دیتا

ہوں۔ میں نے کہیں کہا ہے کہ مریض کی بنیائی خراب ہوگئی تھی۔ برائے ذیل کے طریقے سے اس کو خارجی ملتوں کا نتیجہ ثابت کیا۔

”ایک دفعہ مریض کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور وہ اپنے باپ کے بستر خلاصت کے پاس بیٹھی تھی کہ اس کے باپ نے اس سے وقت در یافت کیا وہ آنسوؤں کی وجہ سے صاف نہ دیکھ سکتی تھی۔ لہذا اس نے اپنی آنکھوں پر زور دیا۔ وہ گھڑی کو اپنی آنکھوں کے پاس لائی جس کی وجہ سے اس کا ذائل بہت بہت بڑا نظر آنے لگا یہ ہوا کہ اس آنسوؤں کو دہانے کی کوشش کی تاکہ اس کا مریض باپ اسے روتے ہوئے نہ دیکھ لے۔..... ایک دفعہ رات کے وقت وہ بہت تشویش کی حالت میں اپنے مریض باپ کو تک رہی تھی جسے اس وقت بہت شدید بخار تھا۔ وہ درحقیقت دی آنکا کے ایک ڈاکٹر کی خطر تھی جو اس کے باپ پر حمل جراحی کرنے والا تھا۔ اس کی ماں کچھ دیر کے لئے باہر چلی گئی تھی۔ مریض باپ کے چنگ کے پاس ایک کرسی پر بیٹھی تھی اور اس کا بازو کرسی کے پیچھے پر لٹکا ہوا تھا۔ اس پر حالت محویت طاری ہوئی جس میں اس نے ایک سانپ کو نکلنے ہوئے دیکھا یہ سانپ اس کے باپ کی طرف اس انداز سے بڑھا کہ گویا وہ اس کا نئے جا رہا ہے (اغلب یہ ہے کہ اس سے قبل گھر کے پیچھے باغ میں بہت سے سانپ دکھائی دیئے تھے اور اسے ڈر لگا تھا۔ ان ہی قدیم تجربات نے اس وقت کے وہم کا مولود مہیا کیا کہ اس نے سانپ کو مارنے اور بھگانے کی کوشش کی لیکن معلوم ہوا ہوتا تھا کہ اس کو قانع ہو گیا ہے۔ لہذا وہ حرکت نہ کر سکتی تھی اس کا دایاں بازو جو کرسی کے پیچھے پر لٹکا رہا تھا ”سو گیا“ تھا۔ اس طرح یہ قاعدہ احساس اور مطلوب ہو گیا تھا۔ جب اس نے اپنے بازو پر نگاہ کی تو اس کی انگلیاں چھوئے چھوئے سانپ بن گئیں اور ان کے ناخن ان سائیدوں کے سر اس نے قائل ہوا اپنے مطلوب دائیں بازو سے سانپ کو بھگانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح اس کا فقدان احساس اور قانع سانپ کے وہم کے ساتھ متلازم ہو گیا۔ جب یہ رفع ہو گیا تو اس نے یہ قصہ بیان کرنا چاہا لیکن طاقت گویائی جواب دے چکی تھی۔ وہ کسی زبان میں بھی اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہ کر سکتی تھی۔ ہلا کہ اس کو ایک انگریزی گیت کے چند الفاظ یاد آئے اس کے بعد وہ صرف اسی زبان میں سوچ اور بول سکتی تھی۔ جب چنانچہ وہم کی حالت میں اس حادثے کی یاد کا احیا کیا گیا تو بازو کا قانع جواب بعداً مرض سے موجود تھا رفع ہو گیا اس کا علاج قسم ہو گیا۔“

طبی لحاظ سے یہ ایک عام دلچسپی کا واقعہ تھا۔ لیکن فرائڈ کی پالغ نظری نے اس معمولی واقعہ

کے پس پردہ بہت بڑی حقیقت کو پالیا۔ اتنی بڑی حقیقت کہ اس نے ساری زندگی اس کی چھان بین میں صرف کر دی۔ یہ اسی محنت اور مشقت کا ثمر ہے جو آج وہ ایک نئی نفسیات کا بانی تسلیم کیا جا رہا ہے۔

برائے فرائڈ سے چودہ برس بڑا تھا دونوں میں دوستی تھی اور دونوں مل کر ہسٹریا کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے۔ فرائڈ نے دیکھا کہ ہسٹریا کی متعدد علامات ایسی ہیں جو آج رونما ہوتی ہیں اور کل غائب ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ علامات غیر مربوط طور پر جسم کے مختلف حصوں میں بھی منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر وہ اُن کو سمجھنے کی فوہ میں لگ گیا۔ اب تک کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی اور نہ کسی کو یہ سوچا تھا کہ ان ہسٹریائی علامات کا کچھ نفسیاتی مطلب بھی ہو سکتا ہے یہی کہا جاتا تھا کہ یہ علامات کسی دماغی عارضے کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں یا مریض کے خیالات میں بے رابطگی کا نتیجہ یہ علامات ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تحقیقات کے اس میدان میں اس سے پہلے کسی نے قدم نہیں رکھا تھا کیونکہ یہ میدان بہت سنگھار تھا۔

برائے نے تھوڑی دور چل کر فرائڈ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ بالکل اکیلا تھا مگر اس کے باوجود وہ آگے بڑھتا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ ہسٹریا کی علامات اور ان کی مختلف اشکال کا تعلق مریض کے ماضی سے ہوتا ہے۔ اس نے ماضی کے واقعات کی یادوں کو چٹانوم کے ذریعے تازہ کیا۔ حالانکہ خیال کیا جاتا تھا کہ ماضی کی یہ یادیں مردہ ہو جاتی ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ مردہ نہیں ہوتیں بلکہ ہمارے اعمال و افعال پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ فرائڈ سے قبل مشہور فلاسفر شوپن ہار نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا تھا جو اشارہ ہی رہا مگر فرائڈ نے پوری طرح تحقیقات کی اور یہ خیال تجزیہ نفس کا سنگ بنیاد ثابت ہوا۔

شروع میں فرائڈ چٹانوم کے ذریعے ہسٹریا کے مریضوں کا علاج کیا کرتا تھا لیکن بعض مریض ایسے بھی تھے جن پر چٹانوم کا عمل کارگر نہ ہوتا۔ اُن کے لئے ایسے طریقے کی ضرورت تھی جس سے اُن کے ماضی کی یادوں کو ابھار دیا جاسکے۔ فرائڈ ایسے مریضوں کو آرام سے بٹھا دیتا اور انہیں اپنی داستانِ حیات سنانے کو کہتا اور تاکید کرتا کہ کوئی بات خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو ہرگز نہ چھپائے نہ کسی واقعہ کو معمولی جان کر یا عدم امت کے باعث پوشیدہ رکھے۔ یہ طریقہ کار گرما بہت ہوا اور اسے اب ملازم اختیار کی (Free Association) کہتے ہیں۔

جناحوں کے دوران میں بعض مریضوں پر زور ڈال کر ماضی کی یادوں کو ابھارتا پڑتا تھا یہی وقت ملازم اختیاری میں بھی باقی رہی۔ زور ڈالنے کے باوجود مریض کے ذہن میں ایسی چند قوتیں تھیں جو یادوں کو ابھرنے سے روکتیں اور مزاحمت کرتی تھیں۔ یہ مزاحمت (Resistance) تجربہ یہ نفس کے نظریات کو وسعت دینے میں بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ کیونکہ یہ مزاحمت ہی وہ قوت تھی جو یاد کو ابھرنے نہیں دیتی تھی۔ ”دلی ہوئی یادیں“ اگرچہ غیر شعوری تھیں لیکن ان کے اثرات بہت زیادہ تھے اور پھر لطف یہ کہ مریض خود ان اثرات سے بے خبر ہوتے۔ مزید تحقیقات کے دوران میں اس کشف کی زیادہ وضاحت ہو گئی اور فرائڈ نے معلوم کر لیا کہ دلی ہوئی یادیں جو ایسا اثر پیدا کرتی ہیں ایک خاص قسم کی اور مریض کی اخلاقی، سماجی اور جمالیاتی اقدار کے بالکل متضاد ہوتی ہیں اور ان کا یاد رکھنا مریض کے لئے نا پسندیدہ ہوتا ہے۔ یہی وہ سراغ تھا جس کے ذریعے وہ ان دلی ہوئی یادوں کی توضیح کر سکا۔

ملازم اختیاری کے ذریعے اُسے جو مواد ملا۔ اس سے جلد ہی واضح ہو گیا کہ مریض کے خواب نہایت معنی خیز ہوتے ہیں۔ اس سے قبل ماہرین نفسیات یا اطباء نے خواب پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا۔ فرائڈ نے سب سے پہلے خواب کی طرف توجہ کی اور اُس کے ذریعے کئی ایسے اہم مسائل حل کر لئے جو ہزاروں سالوں سے یوں ہی چھوڑ دیے گئے تھے۔ اس نے خواب کی تعبیر میں وہ کمال حاصل کیا کہ اس کی یہ تحقیقات نفسیات میں ایک اہم اور قابل قدر اضافہ ہے خواب کے ذریعے ذہن کی گہرائیوں میں جھانکا جاسکتا ہے۔ فرائڈ کی کتاب ”خواب کی تعبیر“ (Interpretation of Dreams) دنیا کی بہترین اور جامع کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

اپنی تحقیقات کے دوران فرائڈ کو جنس کی اہمیت کا علم ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ جنسی کشش میں جنس سے اعصابی امراض پیدا ہوتے ہیں جنس بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس اہمیت کی روشنی میں جب اس نے اعمال کا جائزہ لینا شروع کیا تو حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ فرائڈ کے جنسی نظریات کی سب سے زیادہ مخالفت ہوئی طبی حلقوں میں ایک اچھل چھٹ مچی۔ مگر اس کے باوجود اپنے کام میں لگا رہا۔ اس کے سامنے ایک اور حقیقت آئی اور وہ بچہ کی نشوونما تھی۔ وہ عجیب و غریب اور حیران کن نتائج پر پہنچا۔ اس نے ثابت کیا کہ بچے کی ابتدائی زندگی میں جنس کا کافی دخل ہوتا ہے۔ یہی دخل دیوالا تو ہم پرستی، سماجی اور مذہبی اداروں کے پس پردہ مخفی طاقت بن کر زندگی پر چھا

جاتا ہے۔ اسی روشنی میں زندگی کے بہت سے مسائل حل کر دیے ہیں جو اب تک دھندلکوں میں تھے۔ فرداؤر نسل کی نشوونما کو سمجھنے میں ”بچے کی جنس“ کا نظریہ بہت مدد دیتا ہے۔

فرانڈس برس اکیلا کام کرتا رہا۔ اس عرصے میں اس کے نظریات کو قبول کرنا تو کچا کسی نے اس سے ہمدردی کا اظہار تک نہیں کیا۔ لیکن بالآخر اس کی انتھک کوششیں رنگ لائیں اور چند لوگ اُس کے پیرو بن گئے۔ 1910ء میں تجزیہ نفس کی بین الاقوامی انجمن (International Association of Psychoanalysis) کی بنیاد رکھی گئی۔ 1913ء میں اس کی ایک شاخ برطانیہ میں قائم کی گئی اور آہستہ آہستہ اس کی اور شاخیں مختلف ممالک میں قائم ہوئیں۔

اب زندگی کا ہر شعبہ تجزیہ نفس کے نظریات سے متاثر ہے اور تجزیہ نفس طبی نفسیات کے دائرہ سے نکل کر پوری زندگی پر حاوی ہو چکا ہے۔

ذہنی زندگی

لاشعور

ایک زمانہ تھا جب ذہن کو مختلف "ملاہیتوں" کے مطابق تقسیم کیا جاتا تھا لیکن فرائڈ نے ثابت کیا ہے کہ ذہنی زندگی میں ایک ناقابل تردید وحدت اور تسلسل ہوتا ہے۔ یعنی ہم پر ایک خاص لمحے میں جو کچھ گذر چکا ہے اور جو گذر رہا ہے اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ یہاں کوئی بات محض مادے کے طور پر نہیں ہوتی اور طبیعی دنیا کی طرح ذہنی اقدیم میں بھی موقع (Chance) کا دخل ہوتا ہے۔ جو باتیں غیر متوقع اور حادثہ معلوم ہوتی ہیں حقیقت میں وہ ایسی نہیں ہوتیں اپنی ذہنی زندگی کے بہت زیادہ حصے سے ہم بے خبر رہتے ہیں اور جو کچھ جان پاتے ہیں وہ محض نتیجہ ہوتا ہے اسی لئے بعض اوقات وہ بالکل الگ بے محل اور بے سبب معلوم ہوتا ہے۔ فرائڈ کے نزدیک نفس (Psyche) خواہ وہ کسی حالت میں کار فرما ہو ایک وحدت ہے اور اس وحدت کے دور رخ ہیں ایک لاشعور اور دوسرا لاشعور اور یہ دونوں زندگی بھر متواتر عمل اور رد عمل کرتے رہتے ہیں۔ ان میں لاشعور زیادہ اثر آفرین ہے۔

فرائڈ ذہن کو ایک ایسا آلہ تصور کرتا ہے جسے دو طریق سے حرکت میں لایا جاسکتا ہے ایک خارجی اور دوسرا داخلی جب کسی خارجی محرک کو ٹکرتی ہے تو اس میں جوش پیدا ہوتا ہے تو اس کی سرگرمی ایک جانب رونما ہو جاتی ہے۔ بھوک یا اسی قسم کی کوئی اور جبلتی طاقت جب داخلی طور پر پہنچ بن کر سرگرم عمل ہوتی ہے تو اس کا رخ دوسری جانب ہوتا ہے۔ کئی حالتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جب یہ دونوں محرکات ایک ساتھ عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال اس بھوکے آدمی کی سی ہے جو کھانے کو دیکھ کر لپکا جاتا ہے۔ فرائڈ کا خیال ہے کہ تمام ذہنی اعمال لاشعور سے شروع ہوتے ہیں۔ ان میں

سے بعض فوراً شعور میں آ جاتے ہیں اور باقی کسی وجہ سے دیریں رک جاتے ہیں۔ جمیلی محرکات جو ہمارے اندر سے شروع ہوتے ہیں اور جن کا سرچشمہ لا شعور ہوتا ہے ان کا کھٹا چنداں دشوار نہیں۔ اسی طرح روزمرہ زندگی میں بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں جن کا محرک ہر دنی ہوتا ہے اور جنہیں ہم بخوبی سمجھ جاتے ہیں۔ آپ کو تجربہ ہوا ہو گا کہ آپ کے اندر کوئی چیز ایک آواز سنتی ہے۔۔۔ مثلاً گھنٹہ کی آواز۔۔۔ مگر شعوری طور پر آپ کو یاد نہیں ہوتا کہ ایسا ہوا ہے۔

فرائنڈ ذہن کو تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ شعور (Conscious) جب ہم اپنے خیالات سے ایک خاص وقت میں باخبر ہوتے ہیں۔ قبل شعور (Pre-Conscious) یہ شعور کا کنارہ ہے جہاں سے خیالات موقع محل کے مطابق فوراً شعور میں آ جاتے ہیں۔ لا شعور یہاں ایسے خیالات ہوتے ہیں جو آسانی سے شعور میں نہیں آتے اور نہ لائے جاسکتے ہیں۔ اُن کو باہر نکالنے کے لئے ایک خاص طریقے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ذہن میں ایک مخصوص واسطے (ابجیسی) کا رفرار جتا ہے اور اسی کی اجازت سے کوئی خیال ذہن کے ایک گروہ سے دوسرے میں جاسکتا ہے۔ اس واسطے کو "احتساب" سنسر شپ (Censorship) کا نام دیا گیا ہے۔ جنگ کے دنوں میں حکومت سیاسی حالات کو ضبط میں رکھنے کے لئے احتساب کا حکم قائم کر دیتی ہے اور یہ اس محکمے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کسی خبر کو روک لے یا اُس کو نشر ہونے دے۔ یہ احتساب لا شعور اور شعور کے مابین ہوتا ہے۔ شعور اور قبل شعور کے درمیان بھی یہ احتساب ہے لیکن بہت ہی کمزور حالت میں وہ واسطے جو اس احتساب کو بروئے کار لاتا ہے وہ اُس "دھاک" کی مانند ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے ذریعے بعض خیالات شعور سے باہر جتے ہیں اور بعض خیالات ایسے ہوتے ہیں کہ جب انہیں یاد کرنے کی کوشش کی جائے تو اُس میں مزاحمت پیدا ہوتی ہے اور یاد کرنے والا انہیں یاد نہیں کر پاتا۔

ذہن کا مطالعہ ایک اور زاویہ نگاہ سے کیا جاسکتا ہے اور یہ اُس کی حرکی (Dynamic) حالت ہے۔ اس ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لا شعور مجموعہ ہوتا ہے اُن بیانات اور خواہشات کا جو فرد کی زندگی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہے اور یہ اساسی بیانات جمیلی آکسائٹس مسلسل لا شعور میں جمع ہوتی رہتی ہیں اور کوشاں ہوتی ہیں کہ باہر نکلے گا کوئی راستہ پا کر اپنی تسکین کا سامان ہم پہنچائیں۔ فرائنڈ نے اس ذہنی قوت کو آڈ (Ad) کہا ہے۔ یہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے ذہن

جہتوں سے قوت حاصل کرتا ہے۔ بلا تفریق یہی سارے ذہن کی اساس ہے۔

بچے کی زندگی کے ابتدائی ایام میں اسی اڈا کا ایک حصہ خارجی دنیا سے متعلق ہو کر باقی تمام حصے سے متحرک ہو جاتا ہے۔ اس حصے کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ فرد کے جسم نامی (Organism) اور خارجی دنیا میں جس میں انسانی ماحول بھی آ جاتا ہے میں تعلقات قائم کرے اس کا نام ایگو (Ego) یا انا ہے۔ ایگو کا مطلب "اپنی ذات" لیا جاسکتا ہے۔ اسی سے اپنی شخصیت کا احساس پیدا ہوتا ہے ایگو اڈے متعلق وہ یہ ناقد اندہ ہوتا ہے۔ وہ اڈے ہیجانات کی بعض مانگوں کی تسکین کرتا ہے بعض کو قابل ملامت قرار دے کر رد کر دیتا ہے ایگو کا ایسا کرنا دباؤ (Repression) کہلاتا ہے۔ دباؤ سے کوئی خیال صرف شعور سے پرے ہی نہیں رکھا جاتا بلکہ خود ایگو سے پرے رکھا جاتا ہے۔ جو ہیجانات اس طرح دبائے جاتے ہیں وہ اڈے کی ابتدائی حالت کا ایک مخصوص جزو بن جاتے ہیں۔ البتہ یہ ہیجانات لاشعری ہوتے ہیں۔ اس طرح جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کا اظہار ہم یوں کر سکتے ہیں کہ "میں (ایگو) فلاں بات کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے اندر کوئی اور ذات ہے جو میں نہیں ہوں وہ فلاں بات کرنا چاہتی ہے۔" یاد رہے کہ شعور دوسری خواہش سے بے خبر ہوتا ہے۔

یہاں ایک مشکل قابل غور ہے۔ جس طرح اڈا کا ایک حصہ کہ "ذہنی ہوئی اڈا" بن جاتا ہے اسی طرح شعور و انا کے دوران میں ایگو کا ایک حصہ باقی کل سے علیحدہ ہو جاتا ہے یہ سپر ایگو (Super Ego) یا ضمیر ہے۔ اس کا تعلق ایگو سے زیادہ اڈے ہوتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ ایگو اور اڈے کے تعلقات کی نگہبانی کرتا رہے اور ایگو کو ان خطرات سے آگاہ کرے جو دبے ہوئے ہیجانات کے باعث اڈے سے ظاہر ہوں۔ احتساب جس کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ یہی سپر ایگو ہے۔ ایگو دباؤ کا عمل کرتا ہے سو پر ایگو نہیں۔ ایگو، سو پر ایگو کے اشارے پر عمل چلا ہوتا ہے۔ بچے کی ابتدائی زندگی کے پہلے پانچ سالوں میں اس پر والدین کا جو اثر ہوتا ہے اسی سے سپر ایگو معرض وجود میں آتا ہے۔ یہ ہو بہو ان کی تعلیم کی نقل نہیں ہوتی بلکہ اس کی مضبوطی کا انحصار بچے اور والدین کے جذباتی تعلق پر ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کو ہم مختصراً یوں دہراتے ہیں کہ ذہن میں چار حالتیں پائی جاتی ہیں۔ بنیادی اڈا جس کا ایک حصہ ایگو کہلاتا ہے۔ باقی حصہ جو ایگو کے معیار پر پورا نہیں اُترتا اور دب جاتا ہے۔ ایگو اور اس کا ایک حصہ جو رفتہ رفتہ سو پر ایگو کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ فرائڈ کا خیال ہے کہ وہ

رجحانات اور کام جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے خود بخود اسی طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح جسمانی اعمال اُس کے نزدیک شخصیت کا تصور صرف ایٹومک محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے اس کے لاشعور کا مظاہرہ ہوتا ہے تو وہ اپنے اُن دے ہوئے رجحانات کو جو اُس کے ذہن کی گہرائیوں سے نکالے گئے ہیں اپنا سامنے سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ یہ دے ہوئے رجحانات وہ خیالات ہیں جنہیں ”بداخلاق“ (Immoral) سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ خیالات اُس وقت بد اخلاق قرار دیے جاسکتے ہیں جب انہیں اخلاق کے ترانہ پر تو لا جائے۔ اصل میں یہ خیالات لاءخلاق (Non-moral) ہوتے ہیں اور صحیح یا غلط کا کوئی احساس ان سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ان میں اکثر خیالات جنسی ہوتے ہیں یا خاصانہ (Hostile) نوعیت کے۔ (اس میں غلامانہ اور جارحانہ خیالات بھی شامل ہوتے ہیں) لیکن خاصانہ خیالات کا بیشتر حصہ بھی نتیجہ ہوتا ہے جنسی جبلتی رجحانات کے پرانہ ہونے کا۔ اسی لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دے ہوئے ہوئے ہوئے رجحانات زیادہ تر جنسی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف سو پر ایٹو انسانی ساخت کا سب سے زیادہ اخلاقی حصہ ہے اور عام طور پر ضمیر کو جس قدر باخلاق سمجھا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ بااخلاق ہے۔ اسی لئے فرماؤ کہتا ہے کہ انسان اُس سے زیادہ بد اخلاق ہے جس قدر وہ اپنے تئیں جانتا ہے۔

سو پر ایٹو کی نشو و نما اگر پوری طرح نہیں ہوتی تو اس کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ ایک عمر تک بچے اخلاقی کا بہت زیادہ دھیان رکھتے ہیں اپنے ماحول سے اخلاق کے جو معیار وہ قائم کر لیتے ہیں اُن میں ذرا سی لغزش اُن کے لئے ایک گناہ عظیم ہوتی ہے وہ اس کے خطرناک نتائج سے ڈر جاتے ہیں۔ بچپن کی ساری ناخوشیاں بچوں سے پیدا ہوتی ہیں اگر یہ حالت زیادہ مدت تک رہے یا اس کے ذریعے جبلتی رجحانات پر قید و بند لگا کر انہیں کسی اور راستے پر ڈال دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ معصومانہ افعال جن میں چلنا پھرنا اور کھانا بھی شامل ہے خود بخود ممنوع قرار پا جائیں گے۔ یہ استغناح شعوری طور پر کوئی معذوری کہی جائے گی لیکن حقیقت میں یہ مصالحتی بد نظمی کی ایک صورت ہوتی ہے۔

قبل شعور اور شعور میں صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ اُس میں شعور کی صفت مفقود ہوتی ہے لیکن لاشعور کی بہت سی صفات ایسی ہیں جو شعور کی صفات سے اُن کی حد بندی کرتی ہیں ان میں سے

بعض تو شعوری طریق کار سے بہت زیادہ اتہاذا رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر لاشعور میں وقت اور فنی کے تصورات نہیں ہوتے۔ لاشعور غیر فانی ہے۔ اس کے اقدیم میں کوئی انہام ہے نہ ماضی۔ یہاں کوئی بات بھولتی نہیں۔ اس کے تصورات اشیاء اور اعمال کی غیر لفظی (Non-Verbal) تصویر ہوتے ہیں۔ الفاظ کا تعلق شعور یا فعل شعور تک ہوتا ہے۔

لاشعور اور شعور پر غور کرتے ہوئے ہم نفسی نظام کے بنیادی تصورات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم جان چکے ہیں کہ ایک تخلیقی قوت ہر ذی حیات زندگی کو آکسائی رہتی ہے اور یہی قوت (اڈ) ہر ذہنی عمل کے ساتھ مختلف مقدار میں باہر نکلتا چاہتی ہے۔ اگر اُسے باہر نکلنے کا راستہ مل جائے تو اس میں ایجو کو سرست تسکین اور سکون میسر آتا ہے۔ اس نفسی قوت کے اس رجحان سے ہی ذہنی زندگی نہ روش متعین ہوتی ہے۔ فرماؤ اس رجحان کو خواہش (Wish or Desire) کا نام دیتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ نفسی زندگی انہیں خواہشات سے متغی ہے اور یہی خواہشات نت نئے پھیلات پیدا کرتی ہیں جو بعض اوقات الجھنوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

ان تمام پھیانات یا نفسی قوت کے نکلنے کے راستوں کا مقصد وہ ایسے اصولوں کی تکمیل ہوتا ہے۔ جن پر ہماری ذہنی زندگی کا انحصار ہے۔ ان میں سے ایک اصول لذت (Pleasure Principle) ہے اور دوسرا اصول حقیقت (Reality Principle) اصول لذت فرد کے ابتدائی جنیلی دور میں بطور بنیاد کے کام آتا ہے اور جب ہر ذہنی تہذیبی طاقتیں اس پر اثر انداز ہوتی ہیں تو آئن میں تھوڑی سے تبدیلی آ جاتی ہے۔ زندگی میں ہمیں جو بھی تجربہ ہوتا ہے یہ اصول اُسے لذت یا دکھ (Pain) کے ترازو میں تولتا ہے اور دیکھتا ہے کہ تجربے سے لذت ہوئی یا دکھ پہنچا۔ اس اصول کا معیار داخلی ہوتا ہے۔ یہ اصول ذہنی قوت کی ابتدائی اصل صورت پیش کرتا ہے۔ انسانی نشوونما کے شروع کے ادوار اس کی خصوصیت ہیں۔ یہ فرد اور نسل (Race) دونوں میں کارفرما ہوتا ہے۔ بچے کی ذہنی زندگی اور بہت حد تک وحشی انسانوں میں یہ آسانی نظر آ سکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کام یہ کہ فرد کی بہت سی جنیلی خواہشات کی تسکین کے لئے مسلسل مانگیں پیش کرتا ہے خواہ اُن کے لئے اُسے کیا کچھ کرنا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں خود غرضی و ذاتی منفعت بہت دھری اور سماج پر پایا جاتا ہے۔

بچے کی زندگی کا معمولی سا مطالعہ دیتا ہے کہ اس کے بر فعل کے پیچھے اصول لذت کام کرتا

ہے۔ بچہ اپنی خواہشات سے آگاہ ہوتا ہے اور ان کو پورا کرنے کے لئے ضد کرتا ہے۔ اس کی ابتدائی سورتیں خوراک، بستر کی گرمی، ماں کی گود اور ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ اصول چونکہ بچے میں صاف نظر آتا ہے اس لئے یہ نہیں سمجھ لیتا چاہئے کہ یہ اصول صرف بچوں تک محدود ہے بلکہ جب ہم انسانی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو قدیم زمانے سے اس کا سراغ ملتا ہے۔ اس زمانے کے انسان نے اپنے ایسے بیجاانات سے جن میں خوشخواری اور ذاتی فائدہ ہوتا تھا دور رہنے کے لئے عہدات (Taboos) بنائے تھے۔ آج کا ”مہذب“ انسان بڑی چابکدہی سے ان خواہشات کو چھپا لیتا ہے اور معلوم نہیں ہونے دیتا کہ اصول لذت ہی اس کے کردار کا ذمہ دار ہے۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ ہم تلخ حقیقت کی طرف متوجہ ہونا نہیں چاہتے۔ اُن باتوں کو پسند کرتے ہیں جن سے ہمیں مسرت ملے۔ تہذیب کے ارتقاء سے ہماری زندگی پر جو گہرا، اخلاقی، مذہبی اور سماجی اثرات ہوتے ہیں اُن سے اس اصول کی ابتدائی صورت میں کچھ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے لیکن یہ ارتقاء اس اصول یا اس کی اثر آفرینی کو مٹا نہیں سکتا۔ یہ ہمیشہ بلا واسطہ (لا شعور میں) یا بالواسطہ (شعور کی مختلف حالتوں میں) اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی اصول حقیقت سے بھی اشتراک کر لیتا ہے اور کبھی اس کے خلاف عمل پیرا ہوتا ہے۔ ”اصول حقیقت“ پر کار بند ہونے بغیر فرد کا بقا محال ہے۔ زہرہ رہنے کے لئے اُسے ہرونی طاقتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ پانی، آگ، ہوا، خوراک وغیرہ ایسی حقیقتیں ہیں جن کا خیال رکھنا زندگی کے لئے لازمی ہے چاہے اہرہ گرد کے لوگوں کے حقوق ضروریات اور اُن کی طاقت کا خیال بھی اسی اصول کا منہ پھینکا ہے۔ یہ سب باتیں وحشی انسانوں تک میں موجود تھیں۔

لا شعور میں احساس کا عنصر غالب ہوتا ہے اور شعور میں استدلال (Reason) کا۔ اسی سے شعوری زندگی میں مقبولیت آ جاتی ہے۔ جب ایک نومولود دنیا میں آتا ہے تو اس کی شعوری زندگی ماحول کے مطابق بننے لگتی ہے۔ بچہ اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے وہی اعمال کرتا ہے جو دوسرے پسند کرتے ہیں۔ اس کی نفسی کیفیات اگرچہ غیر فانی اور قوی ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ آہستہ آہستہ ماحول سے ہم آہنگ ہونے کی سعی میں لگتا رہتا ہے۔ جب وہ ایسا کر نہیں پاتا تو اس کی ذہنی حالت میں ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے جسے ذہنی کشش کہا جاتا ہے۔

تہذیب کی پابندیوں اور قیود کے باوجود ابتدائی نفسی حالت آسودگی کی کوشش کرتی ہے یوں

ان قیود اور ان خواہشات میں جو آسودگی چاہتی ہیں ضمن جاتی ہے۔ بیجا ناست میں متواتر اول بدل ہوتا رہتا ہے۔ یہ اصول لذت جہلی تقاضوں پر آکساتا ہے۔ معقولیت پسندی ان تقاضوں کو اس حد تک روکتی ہے جس کی ماحول توقع رکھتا ہے۔ اُدھر لاشعور میں ابتدائی نفسی اثر آفرینی تبدیلی اور ترمیم میں گذرتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آتا ہے جب یہ تہذیب کی بہت سی پابندیوں کو اختیار کر لیتی ہیں۔ اس کو واضح کرنے کے لئے بچوں کے خوابوں کی مثال دی جا سکتی ہے۔ بچے خواب میں ماں یا آبا کو مار ڈالتے ہیں انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں انہیں دکھ پہنچا کر لذت محسوس کرتے ہیں۔ جانتے میں ماں یا آبا انہیں روکتی اور نوکرتی رہتی ہیں۔ اُن کی خلاف مرضی ان پر حکم چلاتی ہیں۔ بچے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اُن کے خلاف جو خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں شعور میں بھی نہیں لاسکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بظاہر طور پر ماحول سے بکھوٹ کر لیتے ہیں۔ لیکن خواب میں یہ خیالات نقل کر ماں یا آبا کے خلاف اظہار کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بچوں تک محدود نہیں بلکہ عام زندگی میں جن لوگوں سے ہمیں اپنے مفاد کا خطرہ ہوتا ہے ہم انہیں خواب میں مردہ یا بیمار دیکھتے ہیں یا وہ کسی لمبے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔

شعوری خواہشات کو متواتر دیا جاتا ہے اور اس دباؤ سے لاشعور رنگ لیتا اور اپنی تخلیق کرتا ہے وہ خواہشات جنہیں دیا جاتا ہے۔ لاشعور میں پناہ لیتی ہیں اور موقع پا کر کبھی خواب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی دابہ (Fantasy) کی مختلف اشکال میں اس کی ایک مثال آرٹ ہے جس سے دہی ہوئی خواہشات کو ایک راستہ مل جاتا ہے۔ اور اعصابی تکاؤ جو دباؤ کا نتیجہ ہوتا ہے کم ہو جاتا ہے۔ آرٹ (فکار) کی زندگی میں دابہ کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے فن کار کی زندگی میں جہلی تقاضے ایک شعور پر پاکسے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فن کار عزت، قوت، دولت، شہرت اور عورت کا خواہاں ہوتا ہے۔ لیکن ان کو حاصل کرنا اس کے بس کا روگ نہیں اس لئے اس کی تمنائیں نا آسودہ رہتی ہیں۔ وہ اُن کی تسکین کے لئے حقیقت سے منہ موڑ کر اپنی خواہشات کو دابہ کی دنیا میں ایک نئی تخلیق کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ ان خواہشات میں اس لوبیدہ (Libido) بھی شامل ہوتا ہے۔ یہ راستہ بہت خطرناک ہے اور غور و تامل کے بغیر اس سے چلتا ہے۔

ایک عام شخص جس کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔ بہت حساس واقع ہوا تھا اس کا اُلجھا ہوا مزاج دیکھ کر خود اُسے اور اُس کے احباب کا خیال تھا کہ اس کے کردار میں مناسبت ہے۔ وہ

مردان تک وہ دور لذتوں کی طرف زیادہ مائل نہ ہوتا۔ وہ فن کار تھا اور خواب و خیال کی دنیا کا بسا۔ وہ خواب میں اکثر بدکلامی کا مرتکب ہوتا حالانکہ اس کی شعوری زندگی کے اہم ترین عناصر اس کی شرافت، نرمی اور خوش کلامی تھے۔ پریشان رہتا کہ خواب میں وہ کیوں ایسے مناظر دیکھتا ہے۔ جہاں اسے بدکلامی کرنی پڑتی ہے۔ تجزیہ نفس کے دوران میں معلوم ہوا کہ اسے بچپن میں ماں سے بہت زیادہ محبت تھی لیکن اس کے باوجود کیا بھال وہ گھر میں فرما سا شور کر پائے کہیں چپے کر گیا کھڑاک ہو گیا یا فرش پر زور سے سے قدم پڑ گیا تو اس کی شامت آ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماں کے اس رویے کے خلاف جو غم و حسد اس کے اندر پیدا ہوتا لا شعور میں دبا یا جاتا۔ بخلاف اس کے دوسرے بچے اور بی قسم کے مذاق بدکلامی اور بدذہانی سے اپنا دل ہلکا کر لیا کرتے تھے۔

ایک "عام" اور "مہذب" گھرانے کے بچے میں جو فرق نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عام بچے کو اپنے اظہار کے زیادہ موقع ملتے ہیں۔ اس کے ماحول میں قیود و کمزوری ہوتی ہیں ان پڑھ طبقے کے لوگ جسمانی اور جنسی معاملات میں اپنے جذبات کا اظہار بڑی بے باکی سے کرتے ہیں۔ وہ جنس کو اتنی خمیدگی سے نہیں لیتے جتنا مہذب سوسائٹی میں لیا جاتا۔ تھیز قماشے میں اور بی درجے کے تماشائی اپنے جذبات کا اظہار کس "فراخ دلی" سے کرتے ہیں۔

ہر انسان ان تہذیبی قوتوں سے متاثر ہوتا ہے جن میں وہ رہتا ہے۔ یہ قوتیں ہر سوسائٹی میں مختلف ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت آرٹ (جو لا شعور کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے) کے مطالعہ سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ہر زمانے میں آرٹ پر قیود ہوتی ہیں اور ہر زمانے میں ان قیود کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ تہذیب کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ قیود کمزری ہوتی جاتی ہیں۔ اچھا آرٹ جنسی جذبات کے اظہار میں بے باک ہے مگر آج کا آرٹ وہی جذبات اشاروں (Symbols) میں پیش کرتا ہے۔

روزمرہ زندگی میں لا شعور کا دخل بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی رفیقہ حیات کے انتخاب میں ان جانے بعض ایسی جسمانی اور فانی علامات کی تلاش کرتا ہے جو اس کی پیاری ماں، بہن، آیا یا کسی اور عورت میں پائی جاتی تھیں جس کا تاثر ابھی تک لا شعور میں موجود ہے۔ بعض اوقات ہم کسی شخص کو دیکھتے ہی اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس کا باعث کوئی ایسی شکل، رنگ، آواز، طور طریقے یا فنی خصوصیات ہوتی ہیں جو ہمیں ایسے محبوب شخص مگر ہر لا شعور میں

دھنوں ہو گئیں۔ جوں ہی ان کا ذرا سا سراغ ملتا ہے ہم اس طرف کھینچ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو ایک مثالی پیکر (عورت کا ہو یا کسی خاص مقام کا) کی جستجو رہتی ہے۔ جب تک ان کی خواہش پوری نہ ہو ان کی زندگی میں ایک غلارہ پتا ہے حالانکہ اس کا انہیں شعور نہیں ہوتا۔

نفسِ لاشعور کا شعور پر اثر دیکھنے کے لئے کسی پائگل شخص یا ایسے شخص کا جس پر چٹا نرم کیا گیا ہو معائنہ کرنا چاہئے۔ ان حالتوں میں وہ شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ جنہیں شعور کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایسی ذہنی حالت ہوتی ہے۔ جب لاشعور اور شعور کی قوتیں ایک دوسرے سے اُلٹھکتی رہتی ہیں۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر ایک مربوط ذہنی رد (Mind-Stream) میں بننے لگیں تو اُسے دماغی توازن کہا جاتا ہے۔ اس حالت کا پھیرا نا بہت بڑی خوشی نفسی ہے جسے یہ پھیرا جائے تو وہ اپنی ذہنی قوتوں کو سر قوتوں اور شاہد مانی کے حصول میں صرف کر سکتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فن کار اور تخلیقی کام کرنے والے اسی نعمت سے مستفید ہوتے ہیں۔

فن کار اور تخلیقی کام کرنے والے شخص میں یہ دونوں عنصر مل جاتے ہیں۔ جب وہ شعوری طور پر تخلیق کر رہا ہوتا ہے تو اس سے زیادہ اس کا لاشعور مصروفِ عمل ہوتا ہے۔ پابندیاں اُٹھ جاتی ہیں۔ لاشعور اپنی بات کہہ سکتا ہے اور شعوری بڑی فراہم دلی سے اُسے قبول کرتا ہے اُس کی تاویل کرتا ہے اور اسی طرح جو ذہنی اور جذباتی علم اُسے حاصل ہوتا ہے وہ اُسے کام میں لاتا ہے۔ لاشعور اور شعور میں جتنی ہم آہنگی ہوگی اُسی قدر زیادہ تخلیقی فن کار اُسے بڑھ کر دنیا کے علم اور آرت میں اضافہ کرے گا۔ دنیا کا اعلیٰ آرت اسی ہم آہنگی کا نتیجہ ہے۔ جب کوئی شخص ان دونوں کے استخراج کے عمل کو بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ تو اپنی استعداد اور تخلیقی قوت سے پوری طرح کام لے سکتا ہے۔

دباؤ

(Repression)

فرائڈ ٹفس (Psyche) کو ایک ایسا سٹیج کہتا ہے جس پر قدیمی (ابتدائی) بیجانات اور ان کی ارتقائی صورتیں آپس میں اُلجھتی رہتی ہیں۔ اس میں اصول لذت کو بھی کافی دخل ہے اور یہ اصول خودابتدائی بیجان ہے اور زندگی کی ابتداء سے ہر فرد میں موجود ہوتا ہے۔ بچپن میں اس کا اظہار طبعی، ذہنی اور اثری حلقوں میں دیکھی طور پر ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً غوراک حاصل ہونے سے لذت ملتی ہے۔ ایسے اور کتنے افعال ہیں جن سے بچہ حفا اٹھاتا ہے۔ جہاں تک بچہ اور نشوونما کا تعلق ہے یہ بیجانات ضروری ہیں۔ جب کوئی چیز ان کی راہ میں روک بنتی ہے اور مسرت سے محروم کرنا چاہتی ہے تو یہ بیجانات اس روگ (دکھ - Pain) کی مزاحمت بڑی شدت سے کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے بعض اوقات لذت دکھ کے ذریعے زیادہ ہو جاتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا سراغ بچے کی پیدائش میں ملتا ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو عمر سے تک سانس روکے رکھتا ہے۔ بول دیر از نہیں کرتا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ان حرکات سے وہ حظ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بچپن کی یہی علامت بڑی عمر میں بھی کارفرما رہتی ہے اور لوگ اپنے آپ کو دکھ درد پہنچا کر محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ عادت بڑھ کر ایذا پہنچتی اور ایذا طلبی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

بچے کی پیدائش میں ایک اور اصول..... ثروان کا اصول بہت دور رس نظر آتا ہے یہ اصول لذت سے بھی زیادہ محسوس معلوم ہوتا ہے۔ تحقیقات بتاتی ہیں کہ ہر بچہ مصلحت شہود پر آتے ہی رحم مادر کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہے جہاں وہ "قادر مطلق" تھا اور جہاں خواہشات کے پورا نہ

ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرائض نے اس حقیقت کو آشکار کیا کہ فرد کی نفسی زندگی میں پیدا ہونے والی چیزیں ایک دوسرے سے جوڑنے کی ضرورت ہے جو کل پیدا ہونے کی حالت میں خلل انداز ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اپنی شائستگی اور فوری وقوع پذیر ہوجانے کی وجہ سے بہت خوفناک اور درد انگیز ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود رحم مادر کی طرف لوٹنے کا خواہش جس کی وہ عمر بھر تک دودھ کرتا رہتا ہے فطری نہیں۔ اس کی ہیضہ بھی قہرنا ہوتی ہے کہ وہ اس حالت کی طرف واپس چلا جائے جہاں وہ قادر مطلق تھا اور یوں وہ ایک بار پھر داخلی اور خارجی قہر سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ واپس جانے کی یہ خواہش انسانیت میں بازگشت کا رجحان بن کر ساکن (Static) اور حرکی (Dynamic) آدرشوں میں ابھرنے کا موجب ہوتی ہے۔ دوجہ بالا اور لوگ کہانوں کی مطالعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ بہت سی ایسی کہانیاں موجود ہیں جن میں صرف ابتدائی بچپن کی حالت میں ہی نہیں بلکہ قبل پیدا ہونے والی حالت (رحم مادر) میں جانے کی خواہش صاف نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں فرد قادر مطلق ہی نہیں بلکہ بالکل محفوظ تھا اور بلا خطر لذتوں سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ جب انسان قہرنا کرتا ہے کہ وہ کبھی یوز حانہ ہو تہذیبی حالات سے اُسے دو چار نہ ہونا پڑے اور اُسے کبھی موت کا سامنا نہ ہو تو یہ وہی بازگشت ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔

جہاں تک ہماری روح (Soul) کا داخلی تعلق ہے فرائض کے نزدیک ہم ابھی بچے ہیں چاہے ہیں کہ زندگی بھر بچے ہی رہیں۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے ایک طرف اصول لذت ہے اور دوسری طرف اصول حقیقت ان میں کشش ہوتی رہتی ہے۔ جبلی تھائے لذت کے طالب ہوتے ہیں لیکن صرف لذت زندگی نہیں۔ زندگی گزارنے کے لئے حقیقت سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اگر فرد نے زندہ رہنا ہے تو اُسے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو بنانا ہوگا۔ زمانہ باتوں ساز و توپاز ماند ساز۔ لیکن توپاز ماند ساز بہت مشکل کام ہے۔ اس راہ میں مشکلات کے علاوہ دیکھ دو رکھ دو بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تہذیب کے معیاروں پر اترنے کے لئے ایک لمبا راستہ طے کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر قدیمی ذہنیت جو اصول لذت کے مطابق بن چکی ہوتی ہے اس میں تہذیبی آتی ہے۔ سارے بیچانات، جذبات، سوچ بچار کے طریقے بدلنے پڑتے ہیں اور یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ بڑی عمر میں لوگ چاند کو پکڑنے کے لئے نہیں دیتے لیکن دنیا کی دوسری اشیاء کو حاصل کرنے کے لئے کس قدر چٹا ہوتے ہیں۔ بات وہی ہوتی ہے صورت بدل جاتی ہے۔

وحشی انسان کی راہ میں جو حائل ہوتا تھا وہ اسے مار ڈالتا تھا۔ لیکن اب مہذب انسان نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جہلت مٹ گئی ہے بلکہ حالات کے سامنے پیش نہیں جاتی۔ جذبہ برابر اپنا کام کئے جاتا ہے۔ باپ، بیٹائی، استاد، آقا کے خلاف جو حرکات کی جاتی ہیں وہ اسی کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح سوچ بچار قدیمی ہیجانات احساسات اور خیالات سب کے سب موجود ہیں لیکن بہت بدلی ہوئی اور کمزور و مخیف شکل میں۔ اس کا باعث ایک نفسی طریق کار (Psychic Process) ہے جسے ہائڈ کا نام دیا گیا ہے۔

دھاؤ کے ذریعے قدیمی ہیجانات، احساسات اور خیالات متواتر دہتے رہتے ہیں اور ان کی جگہ وہ نئے ہیجانات، احساسات اور خیالات لے لیتے ہیں جو فرد کی خارجی اور داخلی ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ قہر، لذکر، دہ جاتے ہیں نئے نہیں اور موقع پا کر معمولی اور ہمایا تک ٹھہریں، وابہ (Tantasy) درج آگئی اور ندریاں ایسی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دبے ہوئے خیالات اور خواہشات امت ہوتی ہیں اور لاشعور انہیں بھول کے دامن میں چسپا لیتا ہے۔ اگر بچوں نہ ہو تو پھر یہ ایسا بھیج بد لیتے ہیں کہ شعور انہیں قبول کرے۔ اس خاص محرک کی چار مختلف صورتیں ہیں۔

- 1۔ جب دھاؤ کا میاب ثابت ہو تو کردار کی آشوب نما نہایت اعلیٰ اور سماجی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے ایسی حالت میں کہا جائے گا کہ دہی ہوئی خواہشات نے "ارتقا" (Sublimation) کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ بات شاید ایک ایسے شخص کے لئے جو تجرے نفس سے نا آشنا ہے عجیب ہو لیکن اس کی صداقت میں شبہ نہیں ہو سکتا ہے جو مثلی اور کچھڑ سے کھیلتے ہیں اپنے بول و براز میں دلچسپی لیتے ہیں یا نہانا نہیں چاہتے بڑے ہو کر ریت اور مثلی کا کام کرتے ہیں۔ ان میں اکثر مصور اور کھگر اش ہوتے ہیں۔ بھیچن میں ایذا پسند (Sadist) بچے بڑے ہو کر ارتقا کے ذریعے بہت اچھے سپاہی بنتے ہیں ان میں قاتل جراح سرجن پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ ارتقا کا عمل شعور کے احاطے سے باہر ہوتا ہے اور اس کا شعوری نتیجہ کسی جنسی دلچسپی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا بلکہ وہی خواہشات

جنہیں دایا جا رہا تھا دوسرا روپ بھر کر اپنی سرگرمی چاہتی رہتی ہیں۔

2۔ ارتقاع میں دلی ہوئی خواہشات سے قوت حاصل کی جاتی ہے اور یہ قوت اُسی جانب بے جاتی ہے جس جانب خواہشات کا رخ تھا۔ اس کے متضاد ایک اور طریق کار جسے ”تھکیل پذیر یہ“ ”رد عمل“ (Reaction Formation) کہا جاتا ہے اپنی قوت ایٹو کی ان مخالف طاقتوں سے حاصل کرتا ہے۔ جن کا رخ مخالف سمت میں ہوتا ہے۔ اس کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ خود نمائی کا رجحان ارتقاع پا کر لذت حاصل کرتا ہے تاہم موری کے ایسے ذرائع ڈھونڈتا ہے۔ جن سے اُسے تسکین میسر آئے۔ لیکن ”تھکیل پذیر یہ رد عمل“ کی حالت میں یہی رجحان حیا و شرم اور ایسی دوسری صفات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جو بچے مٹی میں کھیلنے سے مسرت پاتے ہیں اُن کا یہ رجحان ارتقائی صورت کے بعد مصوری اور سنگتراشی میں بدل جاتا ہے اور ”رد عمل“ کی صورت میں یہی صفائی، چلیقہ مندی، باضابطگی بن جاتا ہے۔ رد عمل کے حالت میں عموماً بہتات کا کافی عنصر پایا جاتا ہے۔ خواہ مخواہ جنہیں گہری صفائی کا بہت زیادہ خیال رہتا ہے کہ اکثر دوسروں کی زندگی اجیرن کر دیتی ہیں۔ رد عمل جس قدر شدید ہوگا اُسی قدر شدید پہچان نہیں پر وہ کار فرما ہوگا۔ بعض اوقات مثبت اور منفی دونوں رجحان اس بہتات میں یکجا نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک حالت میں حسرت کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسری میں فراموشی کا۔

3۔ قوتیں جو خواہشات کو دباتی ہیں اور خواہشات جو روپ جاتی ہیں ان کی کشش میں سمجھوتے کی صورت کا نام نیوراسمز (Neurosis) یا اعصابی خلل ہے۔ نیوراسمز کے ذریعے جن خواہشات کا اظہار ہوتا ہے وہ جنسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ارتقاع کے بخلاف اُن کی جنسی نوعیت بدل نہیں جاتی۔ نیوراتی (اعصابی) بیماری کی صورت اختیار کرنے سے پہلے اس کشش کو کافی حائلوں میں سے گزرتا پڑتا ہے۔ اس لئے نیوراتی

علامات کا گہرا تجزیہ ان کے معنی سمجھا سکتا ہے۔

4۔ فرد کی ابتدائی زندگی میں جس طرح لاشعوری اُبھنوں کا حل تلاش کیا جاتا ہے اُسی پر آئندہ زندگی کے کردار کا انحصار ہوتا ہے۔ کردار کی بہت سی خصوصیات مثلاً عزم، حوصلہ مندی، بودا پن، محکم گیری وغیرہ انہیں اُبھنوں کی مربیوں منت ہوتی ہیں۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کردار کی خصلتوں میں ناچٹکل ہوتی ہے اور اُن سے لاشعور کی خصوصیات عیاں ہوتی ہیں۔ ایسی حالتوں کے لئے ”نیوراتی کردار“ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کیونکہ ایسا کردار نارمل کردار اور نیوراتی علامات کے مابین ہوتا ہے۔ جب یہ نیوراتی کردار پختہ ہو جائے تو پھر اس کا بدلنا یا اس میں تغیر و تبدل کرنا بہت محال ہو جاتا ہے۔ :

زبان اور قلم کی لغزشیں

روزمرہ زندگی میں ایسا اکثر ہوتا ہے کہ آپ نے کسی کا نام لینا چاہا اور وہ نام ذہن سے ایسا اتر گیا کہ کوشش کے باوجود یاد نہیں آیا۔ خط ڈالنے کے ارادے سے نکلے مگر بھول گئے اور یوں ہی کئی دن بہت گئے۔ کسی بات کا جواب ”ہاں“ میں دینا تھا منہ سے ”نہ“ نکل گیا۔ نہیں کہنا تھا کہہ دیا ”ہاں“۔ دوست سے وعدہ تھا کہ فلاں دن ملیں گے لیکن یاد نہ رہا۔

زبان اور قلم کی ایسی معمولی لغزشیں بے معنی نہیں ہوتیں بلکہ ذہنی زندگی میں ایسی لغزشیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ تجزیہ نفس کی تحقیقات میں ان سے کافی مدد ملتی ہے۔ ایک واقعہ ہے کہ ایک نادار نو جوان نے ایک امیر بیوہ عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور جب اس نے دوستوں کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کرنا چاہا تو اس کے منہ سے خود بخود یہ الفاظ نکل گئے۔ ”میں فلاں عورت کو ”دہانا“..... نہیں نہیں میرا مطلب ہے بیاہنا چاہتا ہوں۔“ زبان کی اس لغزش پر ایک قہقہہ بلند ہوا۔ لاشعور نے نو جوان کی نیت کا بھڑا پھوڑ دیا۔

اسی سلسلے میں چند مثالیں قابل غور ہیں۔

- 1۔ ایک میاں بیوی کے درمیان کچھ عرصے سے شکر رنجی تھی۔ دونوں دل میں ایک دوسرے کی صفات کے خاکل تھے۔ اسی دوران میں بیوی نے اپنے خاوند کو ایک کتاب جو اس کے خیال میں بہت دلچسپ تھی پڑھنے کے لئے دی۔ خاوند نے کتاب کو بڑے شکر یہ کے ساتھ قبول تو کر لیا لیکن پڑھے بغیر اُسے کہیں رکھ دیا اور اُسے یاد نہ رہا کہ کتاب کہاں رکھی تھی۔ اس واقعہ کے کئی ماہ بعد خاوند کی ماں کسی دوسرے شہر میں بیمار ہو گئی۔ بیماری تھویشناک صورت اختیار کر گئی۔ بیوی فوراً ساس کے پاس

بچگی اور بڑے اظہار اور غلوں دل سے اپنا پیار ساس کی خدمت کی۔ ساس ہالہ طرہت پاب ہو گئی۔ جب واپس آئی تو خاوند کو بہت خوش پایا۔ خوشی کا باعث اس کی صحت اور بیوی کی خدمت تھا۔ پرانی شکر رنجی دور ہو گئی تو اسے کتاب کی یاد آئی اس نے تھوڑا ذہن پر زور ڈالا اور کتاب نکال کر پڑھ ڈالی۔ بیوی سے شکر رنجی اور کتاب کے بھول جانے میں تعلق یہ تھا کہ شکر رنجی کے سبب اس نے کتاب کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ اس لئے وہ ذہن سے نکل گئی اور جو نئی شکر رنجی دور ہوئی۔ کتاب کو دھوڑنا آسان ہو گیا۔

2۔ کسی شخص کے نام میں پونڈ (Pond) بمعنی تالاب کا لفظ بھی شامل تھا۔ یہ نام ایک دوسرا شخص ہمیشہ بھول جایا کرتا۔ تحلیل نفسی کے ذریعے معلوم ہوا کہ لڑکپن میں اسے اپنے ایک کتے سے بے حد محبت تھی۔ ایک دن اس نے تالاب میں پتھر پھینکا تاکہ پانی کے چھینٹوں سے کتے کو ڈرائے بد قسمتی سے وہ پتھر کتے کو چالگا۔ کتا دھم کھا کر تالاب میں گر ا اور ڈوب کر مر گیا۔ اس سانحے سے لڑکے کو حد درجہ غماست اور دکھ ہوا اور وہ کئی دنوں تک سخت پریشان رہا۔ آخر یہ واقعہ بھول گیا۔ لیکن برسوں بعد اس کی دہلی ہوئی یاد کا اظہار اس طرح ہوا کہ "پونڈ" کا لفظ اسے بھول جاتا۔

3۔ ایک دو شیرہ نے اپنی سہیلی کو جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی مبارکباد کا خط لکھا اور پہلا فقرہ یوں شروع کیا۔ "مجھے امید ہے کہ تم خیریت سے ہو گی اور بہت ناخوش۔" یہ قلم کی ذرا سی لغزش ہے لیکن سہیلی کے چہرے ہوئے جذبات کا اظہار ہو گیا۔ یہ خود اس شخص سے شادی کرنے کی خواہش مند تھی۔

4۔ ایک شخص ہمیشہ ایک میز سے لپے راستے سے ہو کر اپنے گھر جایا کرتا۔ اسے خود اس کی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی کہ وہ کیوں سیدھے راستے سے نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے قدم خود بخود میز سے راستے کی طرف اٹھ

جاتے۔ تجزیہ سے معلوم ہوا کہ اس سیدھے راستے پر اس نے ایک مکان کے دروازے کی ”منٹھی“ پر ایک سیاہ کوٹ لٹکتے دیکھا تھا۔ اس لئے اس نے راہ سے گزرتا چھوڑ دیا۔ جب ڈرا اور کر پڑا گیا تو اسے یاد آیا کہ بچپن میں اپنے بڑے بھائی سے سخت نفرت تھی اور وہ اس قسم کا کوٹ پہنا کرتا تھا۔ بچپن کی اس دہلی ہوئی ناپسندیدہ یاد کا کس عجیب وہ غریب طریق سے اظہار ہوا۔

ان لغزشوں کو دو اقسام میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

1- حرکی

- (1) زبان، جھم اور اس قسم کی ایسی لغزش جس کے ذریعے ایک خاص مقصد کا اظہار کیا جاسکے۔
- (2) کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا جسے فرد خود نہیں چاہتا۔

2- حسی

(1) بات کا بھول جانا

(2) غلط تصور، یادداشت یا نگاہ کی لغزش

یہ لغزشیں بادی الخضر میں شخص ذہن کی نارمل حالت میں ایک معمولی سا واقعہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن جب گہرائی میں جا کر اس کا سبب معلوم کیا جائے تو اس لغزش کے پیچھے ایک خاص مقصد ہوتا ہے کہ جو اس لغزش کا موجب بنا۔ فرمائے ان لغزشوں پر تحقیقات کی اور جن باتوں سے فرد خود ناواقف تھا ان کو ان لغزشوں سے ڈھونڈ نکالا۔ ایک شخص جب کسی سے ملاقات کے وقت ملنے نہیں جاتا تو وہ یہ کہہ کر معذرت خواہ ہوتا ہے کہ مجھے بھول گیا تھا ”یا“ بات میرے ذہن سے ہی اتر گئی تھی۔ آپ نے ایسی معذرت کا جواب بھی سنا ہو گا۔ ”صاحب اب آپ کو بھول ہی جاتا چاہئے تھا“ ”بھلا اب ہماری یاد کیوں آنے لگی۔“ ”گو یا اس“ ”بھول جانے“ کا کوئی مطلب اور مقصد ضرور ہے۔

گھروں میں جب میاں بیوی میں ناہاتی ہو جاتی ہے تو بیوی کی بہت سے مانگیں میاں کو یاد

نہیں رہتیں۔ اس سے بڑی جان لیتی ہے کہ میاں ناراض ہے۔ اس طرح ہم کی لوگوں کے نام بھول جاتے ہیں اور اصلی نام کی جگہ دوسرا نام پکارنے لگتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ فرائنڈز کی تحقیقات کے مطابق دباؤ کا اثر ہوتا ہے کہ ایک شخص کا نام ہم اچھی طرح جانتے ہیں لیکن ایک خاص موقع پر جب ہم اس کا نام لینا چاہتے ہیں تو اچانک وہ نام ذہن سے اتر جاتا ہے۔ نام کا اس طرح ذہن سے اتر جانا محض حادثہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک خاص مقصد ہے جس کی وجہ سے ذہن اس نام کو یاد کرنا نہیں چاہتا۔ ایسا مقصد لاشعوری ہوتا ہے کیونکہ شعوری طور پر یاد کرنے کے باوجود نام یاد نہیں آتا۔ جو صاف بتاتا ہے کہ اس نام سے نا پسندیدہ یادیں وابستہ ہیں۔ جو لوگ اس بھول کو مافیہ کائنات سمجھتے ہیں وہ لطفی ہیں۔ یہ ذہن کا عمل ہے جو شعوری طور پر ہوتا ہے۔ حسن لطفی کا ایک شعر سنئے۔

داہست میری یاد سے کچھ نکلیاں بھی تھیں

اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا

جب تجربہ نفس کے ذریعے ان مغزوں کا مطلب واضح ہوا تو اس سے دو اور باتوں کا پتہ چلا۔ اول یہ کہ قدامتہ ذہنی امراض (Neurosis) کا انحصار لیان پر ہوتا ہے اور ہسٹریا کے بعض مریضوں میں بھی بھول جانا پایا جاتا ہے۔ یہاں تک مریض اپنا نام اپنی شناخت اور گزشتہ زندگی کا حال تک بھول جاتا ہے۔

فرائنڈز کے نزدیک بچوں کا کسی بات کو بھول جانا بھی ہا مقصد ہوتا ہے۔ بھولنے والا اس بات کو ذہن سے نکال دیتا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے بچپن کی اکثر باتیں بھول جاتے ہیں اور یاد کرنے کے باوجود انہیں یاد نہیں کرتے۔ شاید کبھی کوئی یاد آ جائے حالانکہ اس زمانے میں ہمارا ذہن تجربات کے لحاظ سے زرخیز ہوتا ہے۔ فرائنڈز کی تحقیقات سے پہلے بچوں کی ذہنی زندگی کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اس نے اس زندگی میں ایسے نتائج مرتب کئے جن پر ہماری آئندہ ذہنی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔

ہم نے مثال دی ہے کہ ہم خط ڈاک میں ڈالنا بھول جاتے ہیں اور پھر ایسا ایکی ہمیں یاد آ جاتا ہے کہ خط نہیں ڈالا گیا۔ تحقیقات نے بتایا کہ اس بھول کا تعلق خط کے مضمون سے ہوتا ہے۔ بھول جانے کے کئی شعوری بہانے تراشے جاسکتے ہیں۔ ”فلاں کام تھا“ جلدی میں یاد نہ رہا لیکن حقیقت اور ہوتی ہے لاشعور نہیں چاہتا کہ وہ خط ڈاک میں ڈالا جائے اس لئے اس نے شعور سے

اس کی یاد کو مٹا دیا۔ لوگ اکثر مانگنے کی کتا ہیں واپس کرنا بھول جاتے ہیں جب یاد دلایا جاتا ہے تو بہانے تراشتے ہیں۔ حالانکہ اس بھول میں قبضے کی لاشعوری خواہش ہوتی ہے اور کتاب واپس کرنے کو جی نہیں چاہتا۔۔۔

ان لغزشوں کے سلسلے میں دیکھا گیا ہے کہ کبھی کبھی ایک بھجان دوسرے میں دخل اندازی کرتا ہے۔ شعوری طور پر کبھی کو غلط لکھا جا رہا تھا تا کہ اسے مہارک باد دی جائے اور لاشعور نے ”غرض“ کی بجائے ”تا غرض“ کا لفظ لکھ کر غمازی کر دی اور چھپے ہوئے جذبات کا اظہار ہو گیا۔ ماہر لسانیات کے نزدیک شاعر الفاظ ”تا“ کے پیچھے ایک پوری کہانی لاشعور میں مدفون ہے۔ تجزیہ کار کے کلینک میں ایسی مثالیں عام ملتی ہیں۔ معمول نے جواب میں ذرا سی لغزش کا اظہار کیا اور تجزیہ کار نے اس کے ذریعے لاشعور کو دیکھ لیا۔ شعور کے خیلے بہانوں کے باوجود لاشعور شعور کا پر وہ نرمی طرح چاک کرتا ہے۔

بعض حالتوں میں فرد سے نہ صرف ظنی سرزد ہوتی ہے بلکہ وہ ایسی جسمانی حرکات کا سرکب ہوتا ہے جو اس کے شعوری خفا کے بالکل برعکس ہوتی ہیں۔ وہ اگرچہ بلا ارادی طور پر ایک فعل کا ارتکاب کرتا ہے لیکن ایسا کرنے کی اسے بالکل خواہش نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں جہاں اتفاقاً پانی کے گلاس کا گر کر ٹوٹ جانا آتا ہے (جس سے ناراضی کا اظہار ہوتا ہے) وہیں مہلک حادثات بھی ہیں جو بلا ارادہ اتفاقاً وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے حادثات جن میں ریل گاڑیاں ٹکرائیں، کاریں اٹھیں، پاؤں پھسلے۔ جب ان کا تجزیہ کیا گیا تو یہ حادثات جو بے اختیاری فعل کا نتیجہ معلوم ہوتے تھے دراصل لاشعوری بھجان ... جس میں نقل خود کشی ایسے رجحان شامل تھے ... کا اظہار ثابت ہوئے۔۔۔

جنس

یہ مسئلہ امر ہے کہ انسان اور حیوان میں ایک جنسی جبلت بھی ہے۔ اس جبلت کی وہی حیثیت ہے جو بھوک کی جبلت کی ہے۔ خوراک سے بھوک کی جبلت تسکین پاتی ہے اور جنس کی خواہش پورا ہونے سے یہ جبلت آسودہ ہوتی ہے۔

جنسی جبلت کی حقیقت اور خصوصیات کے متعلق عام طور پر چند مخصوص نظریات پائے جاتے ہیں۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ بچپن میں یہ جبلت موقوف ہوتی ہے اور بلوغت کے زمانہ میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جنسی ربطت کی شدت جو شباب میں رونما ہوتی اور دونوں جنسوں کو بے قابو کر دیتی ہے اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس جبلت کا مقصد صرف جنسی ملاپ یا ایسے افعال ہیں جو اس ملاپ کی طرف راہ نمائی کریں۔

تجربہ نفس نے جنس کے مسئلے پر ایک زاویے سے روشنی ڈالی ہے اور اس روشنی میں جنسی اعمال کا جائزہ ہمارے سامنے نئے نئے مسائل لا رہا ہے جن کے حل سے ہماری جنسی زندگی میں ایک نیا انقلاب آتا ہے۔ اب تک عام لوگ جنسی مسائل میں محض لذت اندوزی کے لئے دلچسپی کا اظہار کرتے رہے ہیں ان کے لئے جنس محض جلی تسکین کا نام تھا۔ مگر اب ایسا نہیں۔ کیونکہ فرائض نے جن حق کو آشکارا کیا ہے وہ اتنی تلخ اور لتاکتہ ہیں کہ ایک عام آدمی ان کی تاب نہیں لا سکتا۔ جب ہم ایک شخص کو یہ کہتے ہیں وہ اپنے ذہن میں اپنی ماں کے متعلق "غیر پاک" محبت کے جذبات رکھتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ وہ شخص اسے برا مانتے گا۔ ہمارے سماج کے نزدیک ماں سے محبت کرنا ایک پاک جذبہ ہے جو کوئی اس محبت میں جنس کے دخل کو ظاہر کرتا وہ شخص یا تو فاجر شخص ہے یا اس کے ذہن میں برے خیالات ہیں اور اس لئے وہ قائل طلاق ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسانی ذہن جہلی طور پر ہر اس حقیقت کے خلاف آواز اٹھاتا ہے جو اس کے

تصورات اور مسلمات کے خلاف ہوں۔ بخلاف اس کے تجزیہ نفس کی تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ ہمارے سماج کا سارا اخلاقیاتی اور سوئشل ڈھانچہ ایسی بنیادوں پر قائم ہے جو محکم نہیں ہیں گو اس ڈھانچہ کی ظاہری شان و شوکت مروجہ کئے دیتی ہے۔ مگر حقیقت میں اس مسخین عمارت کے اندر بہت بد صورت مصالح لگا ہوا ہے۔ جو انھی یہ مصالح اتر جاتا ہے تو اندر سے اصل چیز نظر آنے لگتی ہے۔ ایک شخص جو ایک خوب صورت مکان میں آرام سے رہ رہا ہو وہ بھلا کب چاہے گا کہ دیوار کا پلستر اتار کر پیچے کے مصالح کو دیکھتا پھرے۔ ہاں جب کبھی کسی دیوار کا پلستر اتر جاتا ہے اور کوئی جگہ تنگی ہو جاتی ہے تو پھر اس گھر کا مکین دیوار کی اس شکستگی پر توجہ کرتا ہے۔ یہ مثال دینی بیار پر صادق آتی ہے اور تجزیہ کار اس انجینئر کی مانند ہوتا ہے جو دیوار کا پلستر اتار کر اس مصالح کو دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ جس سے دیواریں بنائی گئی ہیں۔ انجینئر کی رائے کو اس لئے رو کر دیتا کہ وہ آپ کی رائے سے مختلف ہے۔ سمجھداری نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے علم اور تجربے کی وجہ سے آپ سے بہت زیادہ جانتا ہے پھر اُسے کیا پڑی ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایسی باتیں کہے جو درست نہیں۔

جب تجزیہ کار کہتا ہے کہ ہمارے فلاں فعل کے ہیں پر وہ جنس کی جہالت کا دفرما ہے تو اسے رد کر دینا درست نہیں کیونکہ وہ بھی اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں یہ کہتا ہے۔ فرائڈ نے جب جنس کے بارے میں اپنی تحقیقات شائع کی تو اس نے اس سے قبل اپنے مریضوں میں اس کے مظاہرے دیکھے تھے۔ اُس نے ان تحقیقات سے نظریات قائم کئے ہیں اور آج وہ نظریات ایک سائنس کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ بعض لوگ شاید ان نظریات کو دیکھ کر پوچھیں کہ ہماری زندگی میں جنس کا اس قدر دخل کیوں ہے؟ تو اس تجزیہ نفس کو کوئی سروکار نہیں اس کا کام تو یہ ہے کہ وہ بتائے کہ جنس موجود ہے اور وہ کس طرح اثر ہوتی ہے۔

سماج کی طرف سے جنس کے مختلف پہلوؤں پر بھاری قیود عائد کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ عام بول چال میں بداخلاقی اور جنس مترواف الفاظ کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں گناہ کا خیال جنس سے منسوب کیا گیا ہے اور اس کے خلاف اخلاق کے نام پر بہت سختی روا رکھی جاتی ہے۔ یہ ساری قیود کیا ہیں؟ داخلی جنسی دباؤ کا اک پر تو۔ جب ہم اس دباؤ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جن خیالات کو دبا دیا گیا ہے وہ کسی قدر شدید اور قوی ہیں۔ اس داخلی دباؤ کا بیشتر حصہ لاشعوری ہوتا ہے۔ جنس کے خلاف جس قدر شعوری طور پر تعصب پایا جاتا ہے۔ لاشعوری تعصب

اس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے جنس کا حصہ شعور میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس سے بدرجہا زیادہ وہ لا شعور میں عمل پیرا ہوتا ہے۔

جنس کے مسئلے کا سب سے قابل اعتراض حصہ بچپن میں جنس کی موجودگی کا ہے۔ اس کی طرف ہم نے شروع میں اشارہ کیا ہے۔ فرائڈ نے جب یہ نظریہ پیش کیا تو ایک کھرام مچ گیا۔ کیونکہ اب تک یہ مسلمات میں سے تھا کہ جنسی جبلت کا اظہار عقوان شباب میں ہوتا ہے۔ لڑکیاں اس وقت اس جبلت سے آگاہ ہوتی ہیں جب وہ رشتہ از روایتی میں شلک کر دی جائیں۔ اگر کبھی جنس کا مظاہرہ بچپن میں ہو جاتا تو اسے بیماری سمجھا جاتا بخلاف اس کے فرائڈ نے کہا کہ بچے اپنی جنسی دلچسپیوں کو اپنے آپ سے چھپاتے ہیں اور اس سے بڑھ کر بڑوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ جہاں تک بڑوں کے رویے کا تعلق ہے وہ یا تو بچوں کی حرکات سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں یا وہ انہیں ”شرارتی“ قرار دے کر قابل سزا گردانتے ہیں۔ حقائق سے آنکھیں بند کر لینا حقائق کا بطلان نہیں ہے۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ بچوں میں جنسی افعال کی موجودگی ان کے جسمانی اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ان کی عادات تجسسات محبت اور حسد کی تشکیل کرتی ہے۔ فرائڈ نے دعویٰ کیا ہے کہ جس وقت بچہ اس دنیا میں آتا ہے اسی لمحے سے جنسی جبلت سرگرم عمل ہو جاتی ہے اور آخری دم تک اپنا کام کئے جاتی ہے اس کے اعمال کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ مختلف اشکال میں سامنے آتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم اس جبلت کو اس کے اعمال کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے۔ جنس کے اعمال کو صرف اعضائے مخصوص تک محدود رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ اب تجزیہ نفس کے پاس ایسی شہادتیں موجود ہیں جن میں جسم کے دوسرے حصے لب، جھانپاں وغیرہ انہیں خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں جو اعضائے مخصوص سے متعلق ہیں۔ بعض حالتوں میں ضمنی اعمال اتنی ہی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں جو جنس کے مرکزی عمل کو حاصل ہوتی ہے۔

تجزیہ نفس کی رو سے جنس کی جبلت بہت وسیعہ ہے۔ یہ کئی مرکبات کا مجموعہ ہوتی ہے جو بظاہر ایک وجود میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ مرکبات ایک وجود اختیار نہیں کر پاتے۔ ایسی حالت میں اس جبلت کو نشوونما دینے کے لئے کافی عرصہ بکار ہوتا ہے جس کے دوران میں کئی مشکلات آتی ہیں نشوونما کی کمی رہ جاتی ہے یا کسی خاص مقام پر آ کر یہ نشوونما رک

جاتی ہے۔ اس سارے عمل میں اس نشوونما کو دوبارہ ایک ہی حالت میں گزرنا پڑتا ہے۔ یہ حالت کو عجیب سی معلوم ہوگی۔ پہلی حالت بچپن کا زمانہ ہوتا ہے جو پانچ برس سے کم عمر تک رہتا ہے۔ دوسری حالت سن بلوغت سے قبل ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کے زمانے (Latency Period) میں اس جہلت کی نشوونما میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ نشوونما کی ان دونوں حالتوں کے تعلقات نہایت دلچسپ ہوتے ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ یہ دونوں ایک ایسے نہیں ہو سکتے کیونکہ بچے اور جوان کے جسم اور ذہن میں فرق ہوتا ہے۔ نہی فرد کی عمومی نشوونما نسل کے ارتقاء کا سادہ اعادہ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود دونوں حالتوں میں کافی متوازیات ہے اور دوسری حالت میں جو نشوونما ہوتی ہے اس کا انحصار زیادہ تر پہلی حالت پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سن بلوغت کے بعد جنسی نشوونما بیویں صورتیں اختیار کر لیتی ہے وہ افراد بھی ایک ایسے طریق پر نشوونما نہیں پاتے۔ بلکہ وہ راستے جن پر یہ نشوونما ہوتی ہے ان کی تفصیلات حیران کن ہوتی ہیں اور ان کی بنیادیں بچپن کے ابتدائی دور میں ہی رکھی جا چکی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلوغت کے سن کی کسی غلطی کا سمجھنا یا اسے درست کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ جب تک ہم پہلی صورت یعنی بچپن کو پیش نظر رکھ کر ان اثرات کو نہ جانچیں جنہوں نے دوسری صورت کا تعین کیا۔ بچپن کے زمانے پر اس قدر دباؤ ہوتا ہے کہ اس زمانے کی یادیں بھول جاتی ہیں۔ ان سے ایک حصہ جو شعور سے تعلق نہیں رکھتا تجزیہ نفس کے ذریعے لا شعور میں سے ابھارا جاسکتا ہے۔

جنس کی نشوونما میں پہلا دور وہ آتا ہے جب بچہ چھٹے سن لگتا ہے۔ یہ دور وہ چھٹا محض بھوک کی تسکین کے لئے نہیں بلکہ وہ اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔ ایسی حرکات کرتا ہے جو اس لذت کا اظہار کرتی ہیں۔ پہلے پہل اس کی یہ حرکات ماں کی چھاتی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ آپ نے بار بار دیکھا ہوگا کہ جب بچہ روتا ہے تو اس کی ماں اپنی چھاتی اس کے منہ کے قریب لے جاتی ہے تو بچہ چپ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے بچے کی جنسی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔ شروع شروع میں بچے کی جنسی خواہش اس کی خوراک کی خواہش کے ساتھ ملتی ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں یہ خواہش خالصتاً جنسی ہو جاتی ہے۔ ہر ماں اور باپ اس سے بخوبی واقف ہے کہ بچہ بار بار انگوٹھے کو منہ میں رکھ کر چوستا ہے۔ اس چوستے میں خوراک حاصل کرنے کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ یہ محض لذت کے لئے ہوتا ہے اس کی ساری توجہ اسی پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ عموماً اس سے بچے

سو جاتے ہیں۔

بچوں میں جنسی خواہشات کا انکشاف فرمائے نے ہی نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے منگھری کے مشہور ڈاکٹر لینڈز نے کیا۔ اس نے اپنی تحقیقات میں اس جنسی سرگرمی پر بہت زور دیا ہے۔ اس کے ہاں بچوں کی پرورش گاہ (نرسری) میں اکثر انگوٹھا چوسنا بھی دوسری جنسی شرارتوں کی طرح ایک شرارت قرار پائی تھی۔ فرمائے نے انگوٹھا چوسنے کو نہ صرف جنسی سرگرمی قرار دیا بلکہ ثابت کیا کہ اس کے ذریعے ہم بچپن کی جنسی سرگرمیوں کے اجزا کا مطالعہ بلا واسطہ کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر گلف نے ایک نوجوان لڑکی کے اعترافات میں لکھا ہے کہ ”وہ ابھی انگوٹھا چوسنے کی عادی ہے اور اسے اس سے ویسی ہی لذت محسوس ہوتی ہے جیسی جنسی تسکین سے خصوصاً اپنے محبوب کو بوسے دینے میں اس لڑکی نے بتایا کہ بوسے دینے میں وہ لذت کہاں جو انگوٹھا چوسنے میں میسر آتی ہے۔ انگوٹھا چوسنے وقت لذت کی جملہ سادے بدن میں دوڑ جاتی ہے اس کا بیان ممکن نہیں۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اس دنیا سے دور کبھی چلی گئی ہوں۔ میرا دل مسرتوں اور خوشیوں سے لہریز ہو جاتا ہے۔ میں اس وقت کے احساسات کو بیان نہیں کر سکتی یہی جی چاہتا ہے کہ مکمل خاموشی ہو اور خاموشی کو توڑنے والا کوئی نہ ہو۔ کتنا عجیب سا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں ذوق و کھ کی یاد ہوتی ہے اور نہ کسی غم کی۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا میں کسی دوسری دنیا میں چلی جاتی ہوں۔“

اس سے بچے کو اکثر ناخن چباتے یا ایسی ہی کوئی حرکت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ یہ دور عموماً تین برس کی عمر تک رہتا ہے۔ اس میں بچے کی تمام جنسی خواہشات منہ کے ذریعے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ بالغ ہونے پر یہی خواہش بوسے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ حقیقت میں بوسہ دینے اور چوسنے میں کوئی اتنا فرق نہیں۔ دونوں صورتوں میں جنسی خواہش منہ سے ہی پوری ہوتی ہے۔ تین سال کے بعد بچے میں شہوت کے آثار بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ وہ انگوٹھے کی بجائے اپنے عضو مخصوص سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اکثر وقت بعد میں یہ لذت خودکاری یا ایسی اور عادت میں بدل جاتی ہے یہ بچے کی جنسی زندگی کا دھڑا دور ہوتا ہے۔ اس دور میں لڑکیاں اپنے مخصوص اعضاء کی رگڑ سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں کھینچتے وقت ایک دوسرے کے مخصوص اعضاء دیکھنے یا اور مختلف حرکات سے سرور حاصل کرتے ہیں۔ اکثر وہ ایک دوسرے کے اعضاء کے

متعلق باتیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ چٹا ب کرتے یا کسی دوسرے کو ایسا فعل کرتے دیکھنے سے بچنے کی جنس خواہش شہوت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ خواہش بعد میں ہم جنس پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

تیسرے دور میں جنسی جذبہ اپنی انتہائی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس دور میں بعد میں جا کر کسی دوسری مخالف جنس کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اس دور میں اعضاء مخصوص زیادہ اہمیت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ اہمیت زندگی بھر برقرار رہتی ہے۔ بچہ جان لیتا ہے کہ ان اعضاء کا مقصد محض لذت نہیں بلکہ تولید بھی ہے جس دور میں ذہن کی نشوونما کے ساتھ ساتھ محبت اور پیار بھی ترقی کرتے ہیں۔

جنس کی جھلک کی مندرجہ بالا صورتوں کی روشنی میں ہمیں تین ادوار کا پتہ چلا ہے۔ پہلے دور کا نام (Auto-Eroticism) رکھا ہے۔ اس دور میں کوئی دوسری ذات موجود نہیں ہوتی جس سے وہ تنہا پائے۔ اس لئے بچہ اپنے جسم سے جنسی آسودگی حاصل کرتا ہے۔ اس دور میں اسے اپنی ذات یعنی انا کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب دوسرا دور شروع ہوتا ہے تو اس میں نرکسیت لمسچہ اور جاتی ہے۔ اس کی ایگو (Ego) ارتقائی منازل طے کرتی ہے اور جھلک کی تنہا خود بچے کے ایگو سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ یہ رجحان تا زیست موجود رہتا ہے۔ تیسرے دور میں بچہ اپنی جنسی تنہا کے لئے خارجی دنیا میں کسی اور ذات کی تلاش کرتا ہے تاکہ وہ نہ صرف اپنا پیار اسے دے سکے بلکہ اس کے شعوری اور لاشعوری جنسی تصورات آسودگی پائیں۔ ظاہر ہے کہ بچے کی بیرونی دنیا کا احاطہ پہلے پہل اپنے کنہ تک محدود ہوتا ہے اور وہ ان سے جنسی لذت کا اکتساب کرتا ہے۔ اس زمانے میں بچے کی لذت حاصل کرنے کی خواہش میں وسعت آ جاتی ہے اور اس کی محبت کا پہلا مرکز ماں ہوتی ہے اور جیسے جیسے اس محبت میں پھیلاؤ آتا ہے۔ لڑکا اپنے باپ کو رقیب سمجھ کر حسد و رشک، نفرت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے۔

1۔ یونانی طہ الامناس کا ایک قصہ ہے کہ نرکس ایک خواہش مند نوجوان تھا جو تالاب میں اپنا سایہ کئے کر خود ہی اپنے اوپر عاشق ہو گیا۔ اس نے اپنے نگہ کو پکڑنا چاہا اور تالاب میں پھانگ لگا دی اور ڈوب گیا۔ پھر تالاب کے کنارے ایک پورا نمودار ہوا جس کے پھول نوجوان کی آنکھوں کی طرح تھے اور اس پودے کو نرکس کا نام دیا گیا ہے۔ فرانز نے اس سے نرکسیت کی اصطلاح وضع کی ہے۔

لیکن وہ ان جذبات کا کھلم کھلا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے ذہن میں اُلجھن ہی پیدا ہونے لگتی ہے۔ جسے فرارڈ نے ایڈی پس اُلجھن کا نام دیا ہے۔ یہ نام بھی یونانی صلیبات سے لیا گیا ہے۔ ایڈی پس کا قصہ یوں ہے کہ:

قدیم یونان میں ایک ریاست بزم نام کی تھی۔ اس کا ایک بادشاہ لیوس نامی گذرا ہے۔ اُسے ایک استخارہ کے جواب میں یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ یہ معلوم کر کے اُسے سخت اُلجھن ہوئی اور جب اس کی بیوی جو کاسا کے بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اپنے مقتدر سے بچنے کے لئے بچے کے دونوں پاؤں برائے انہیں ملا کر باندھ دیا اور پھر اس ہونے والے قاتل کو کوہ سحر میں پرو ڈالوا دیا۔ ایک چرواہا اُدھر سے گذرا اُس نے بچے کو یوں پزا دیکھ کر اٹھایا اور اُسے کورنتھ کے قصر شامی میں پہنچایا۔ جہاں اس کا نام ایڈی پس رکھا گیا کیونکہ اس کے پاؤں سوہنے ہوئے تھے اس کی پرورش کورنتھ کے شامی جوڑے نے مثل اپنی اولاد کے کی۔ لیکن جب وہ جوان ہو گیا تو ایک کورنتھی نے اس کی نہایت اور حسب و نسب کے متعلق کچھ شکوک ظاہر کئے جن سے براہینتہ اور دل گرفتہ ہو کر وہ دلہنی پہنچا تا کہ وہاں دارالاستخارہ میں دیا تا سے اس باب میں مشورہ کرے۔ یہاں اُسے یہ اطلاع ملی کہ وہ اپنے باپ کو قتل اور اپنی ماں سے بیاہ کرے گا۔ وہ سمجھتا تھا کہ پولی بس شاہ کورنتھ اس کا باپ اور میردلی وہاں کی ملکداس کی ماں ہے اور نہیں چاہتا تھا کہ باپ کے خون میں ہاتھ رنگے اور ماں کا شوہر بنے۔ لہذا اُس نے کورنتھ چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے عزم پر عمل کرتے ہوئے وہ تھی بزم کے راستہ پر چل رہا تھا کہ ایک رتھ اُسے ملا جس کے رتھ بان نے اُس سے بانداز حکم راست چھوڑ دینے کے لئے کہا۔ شامی خون اس گستاخی پر فوراً جوش میں آ گیا اور اس نے رتھ بان اور رتھ کے سوار دونوں کو اسی جگہ ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد وہ شہر تھی بزم کے قریب آیا۔ یہاں ایک عجیب الکلفت مخلوق رہتی تھی۔ جس کا سر عورت کا تھا اور دھڑ بھر کا اور اس کے دو پر تھے۔ وہ ایک چٹان پر بیٹھی ہوئی تھی وہیں سے ہر شخص سے ایک سوال کرتی تھی اور جو اس سوال کے حل کرنے میں ناکام رہتا اُسے چٹ کر جاتی تھی ایڈی پس بھی اس کے پاس آیا جس کے سامنے وہی معراج پیش ہوا۔ "ایک ہستی ایسی ہے جس کے چار پاؤں ہیں دو پاؤں ہیں تین پاؤں ہیں اور صرف ایک آواز اس کے پاؤں کی تعداد میں نہیں۔ لیکن جس قدر یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے اس قدر وہ ہستی کمزور ہوتی جاتی ہے۔"

ہوشیار ایڈیٹس نے جواب دیا۔ ”انسان کیونکہ وہ بچپن میں گھٹنوں چلتا ہے بڑا ہو کر دو پاؤں پر سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور بوڑھا ہو کر عصا کی مدد لیتا ہے۔“ اس پر دینی خود نے کشتی کر لی۔
 قحطی بڑ والوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا بادشاہ کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں مارا گیا تو انہوں نے یہ طے کیا یہ جو شخص انہیں مذکورہ بالا دینی سے نجات دلانے کا اُسے وہ اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اس طرح ایڈیٹس کو شاہی تاج اور بیوہ ملکہ کا ہاتھ یہ دونوں چیزیں میسر آئیں۔ بچے کو اس کی خبر نہ تھی کہ اس کی شریک حیات اور کوئی نہیں بلکہ اُس کی ماں ہے اور ماں اس سے قطعاً ناجلد کہ اس کی کشتی حیات کا پر شباب طراح اور کوئی نہیں صرف اس کا اپنا چٹا۔ زندگی نہایت امن و سکون سے بسر ہو رہی تھی۔ ہامی لطف و محبت کی کئی زندہ یادگاریں بھی پیدا ہو چکی تھیں۔ ایک واقعہ پیش آیا۔ قحطی بڑ کی ریاست میں پبلک پھوٹ پڑا اور کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ایڈیٹس نے دارالاستقرار سے رجوع کیا۔ جواب ملا کہ جب تک شاہ مقتول کا قاتل ملک بدر نہ ہوگا پبلک بدستور جاری رہے گا۔ اس بارہ میں شاہ نے عیب گیر تھیں یہاں سے مشورہ کیا جس سے اُسے معلوم ہو کر تھوکا سوار جیسے اول الذکر نے موت کے گھات اتارا لیوس تھا اس کا اپنا باپ اس اطلاع سے اُس پر بھلی گری اور اُس نے اپنی آنکھیں نکال ڈالیں۔ جو کاٹنے خود کشتی کر لی۔

فرانڈ نے اس قصے کو بچے کی زندگی میں کارفرما دیکھا ہے اور اس کی مناسبت سے اسے ایڈیٹس اُپس اُپس کا نام دیا ہے۔ تجزیہ نفس نے دریافت کیا ہے ہر ایک انسان کی زندگی میں ایڈیٹس کا قصد ہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی سب سے پہلی محبت اپنے والدین یا اُن کے قائم مقام کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ لڑکا پیدا آنکھ کے وقت سے ہی ماں کی شفقت سے فیضیاب ہونے لگتا ہے۔ اس کی جسمانی ضروریات کا ماں خیال رکھتی ہے اُسے لاڈیلہ کرتی ہے اور یوں اُن جانے وہ بچے کے جسم کے ایسے حصوں میں تحریک پیدا کرتی ہے جو اس وقت جنسی لذت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک سنسنی پیدا ہوتی ہے جو اُسے ماں کی طرف اور زیادہ مائل کر دیتی ہے۔ بچہ دیکھتا ہے کہ اس کی ماں کی محبت اور توجہ کا ایک اور مرکز بھی ہے اور وہ اس کا اپنا باپ ہوتا ہے جو اس کی ماں کو بھیجتا ہے۔ یہاں سے بچے کے اندر باپ کے خلاف رقابت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بچے کے ذہن میں اُپس اُپس ہوتی ہے خارجی ماحول سماجی حالات اخلاقی بندشوں کی وجہ سے وہ باپ کے خلاف اپنے جذبے کا اظہار نہیں کر سکتا اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ جذبہ اس کے لاشعور میں دب

جاتا ہے۔ بچے کی آئندہ زندگی اور اس کے کردار کی تشکیل کا سارا انحصار اسی اُبھن پر ہوتا ہے۔
 یہ اُبھن لاشعور میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ تجربہ نفس کی ساری معلومات میں یہ دریافت
 سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے خلاف جہاں فرد کی داخلی مزاحمت ہوتی ہے۔ وہیں خارجی طور
 پر سب سے زیادہ اعتراضات اس پر کئے گئے ہیں۔ ان سارے اعتراضات پر جب غور کیا گیا کہ
 کیوں اس خاص دریافت کی اس قدر مخالفت اور مزاحمت کی گئی ہے تو اس کا باعث خود یہ ایڈی پس
 اُبھن تھی۔ تجربہ نفس کے سارے نظریات اس ایک دریافت کے گرد گھومتے ہیں یہ وہ بنیادی
 صداقت ہے جس کا بطلان ساری تحریک کو بلیا مت کر دے گا۔

یہ اُبھن ایک کتنی ہے جس سے ہم نوجوان کی ساری مشکلات کو سمجھ سکتے ہیں۔ نوجوانوں کی
 مشکلات کوئی تھوڑی نہیں ہیں۔ اگر ان کا حل ہو جائے تو سماج کی حالت بدل سکتی ہے کون نہیں جانتا
 کہ عشوان شباب میں ہر نوجوان کو جنس، شادی، ازدواجی تعلقات، سماجی مسائل، طوائفیت، برتھ
 کنٹرول، حسد، رقابت، مصنفی اُبھنوں، مختلف کج رویوں سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ آج تک ان
 اُبھنوں کا حل تو کیا ان کو اچھی طرح سمجھا بھی نہیں جاسکا تھا۔ یہ تجربہ نفس کی تحقیقات کا نئی نوع
 انسان پر احسان ہے کہ اب ان ہمارے مسائل کو نئی روشنی کی راہ نمائی میں سمجھا اور حل کیا جاسکتا ہے۔
 ایڈی پس اُبھن دراصل ازلی نگوں ہے جس میں باپ بیٹا اور ماں لڑکے اس نگوں کو پورا
 کرتے ہیں۔

گرمی پہنچے تو اُسے خواب میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ آگ میں سے گز رہا ہے اور حرارت محسوس کرتا ہے۔ اور سچ کا کہنا ہے کہ قابل طیب کو مریض کے خواب پر غور کرنا ضروری ہی نہیں بلکہ خوابوں سے اصل مراد یعنی بھی لازمی ہے۔“

خواب کی ماہیت اور حقیقت کے متعلق علماء کے مختلف خیالات ہیں۔ اکثر تو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خواب چونکہ بد خوابی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے خواب پر ہم مزید روشنی نہیں ڈال سکتے۔ بخلاف اس کے عوام میں ایک رائج خیال پایا جاتا ہے کہ خواب اس آئینہ آئے والے واقعے کا اظہار کرتا ہے جو اس کی ضد ہو یعنی خواب میں اگر ہارات نظر آئے تو اس سے یہ مطلب لیا جائے گا خواب دیکھنے والے کا کوئی عزیز مر جائے گا۔ کسی کو مرانا ہوا دیکھنا خوشی کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن اس کلیے سے صحیحہ خوابوں کی تشریح اور تعبیر نہیں ہو سکتی۔

سگنڈہ فرمائے کہ لاشعور کی تحقیقات کے دوران میں معلوم ہوا کہ تمام خواب زمانہ ماضی کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ہماری ان نا آسودہ خواہشوں کی تکمیل گاہ ہیں جو بیداری کے عالم میں پوری نہیں ہو سکتیں۔ وہ خواب میں پوری ہو کر سرور حاصل کر لیتی ہیں۔ تجربہ نفس کی روشنی میں یہ نفسیات خواب کا بنیادی اصول بن گیا ہے۔ جس کی مدد سے ہر قسم کے خوابوں کا تجربہ اور تعبیر کی جا سکتی ہے۔

خواب اور روزمرہ کے واقعات کا چرخی واسن کا ساتھ ہے۔ فرمائے سے پہلے بھی بعض علماء کا بھی خیال تھا اور ان کا کہنا ہے کہ ”ہم اس چیز کا خواب دیکھتے ہیں جس کو ہم نے دن کے وقت دیکھا، چاہا یا کیا۔ اس حقیقت پر فرمائے نے یہ نظریہ استوار کیا کہ خواب کے خیالات کا سرچشمہ ماضی کے تجربات ہوتے ہیں۔

ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص سو رہا ہے۔ سوتے میں اس کی آنکھوں پر تیز روشنی ڈالی گئی تو اس نے ایک خاص قسم کا خواب دیکھا۔ بدبودار چیز اس کی ناک کے قریب لانے سے اس کا خواب مختلف ہو گیا۔ بجلی کی گرج سے خواب دیکھنے والا تمھسان کی لڑائی میں چلا گیا۔ سوتے میں بدن سے کھبل گر پڑا تو خواب میں وہ شخص اپنے تئیں نکلا یا پانی میں چلا گیا مارتے دیکھے گا۔ سر جھکے کے پیچھے آ گیا تو ایسا معلوم ہوا کہ وہ کسی بوجھ کے کے تلے دبا جا رہا ہے۔

یہ خارجی محرکات کی مثالیں ہیں۔ اس سلسلے میں ہلڈ برائنٹ کا ایک مشہور خواب ^۱ یوں ہے:

۱۔ عقول ”از جمیل نفس اور خواب۔“ مصنف سید عبدالجلی جلیل ایم۔ اے۔

”میں موسم بہار کی ایک صبح کو سیر کر رہا ہوں۔ کھیتوں سے ہو کر قریب کے ایک گاؤں کی طرف بڑھتا ہوں۔ وہاں کے رہنے والے بہترین کپڑوں میں لباس اور ہاتھ میں کتاب مقدس لئے گرچا کی جانب چاہے ہیں مجھے یاد آ جاتا ہے کہ یہ اقوام کا دن ہے اور صبح کی نماز شروع ہونے والی ہے میں نماز میں شامل ہونے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ گرچے کے باہر قدرے دم لے لوں۔ جب میں وہاں بیٹھ کر قبروں پر لکھے ہوئے کتبے پڑھتا ہوں تو مجھے گھنٹی بجانے والا برنج پر چڑھتا ہوا نظر آتا ہے جہاں ایک چھوٹی سے گھنٹی جو نماز کے شروع ہونے سے قبل بجتی ہے لٹک رہی ہے یکسر سے تک گھنٹی خاموش رہتی ہے پھر اچانک آہستہ آہستہ نماز شروع ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی آواز دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آواز ایسی بلند تھی کہ میری نیند ختم ہو جاتی ہے۔“

یہ گھنٹی کی آواز الارم دہائی گزری سے آ رہی تھی جو میرے سر ہانے رکھی تھی۔“

خواب کے محرکات احمد دہائی بھی ہوتے ہیں اور ان سے جو خواب آتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایسے ہی وہ سب خواب ہیں جن کا تجربہ یہ اور تعبیر تجربہ نفس کے ذریعے کی جاتی ہے اور ان کا ذکر آنحضرتؐ صفحات میں آئے گا۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں کہا ہے کہ فرانز کے نزدیک ”خواب ہماری ان آسودہ خواہشوں کی تکمیل گاہ ہوتے ہیں جو بیداری کے عالم میں پوری نہیں ہو سکتیں۔“ جب یہ حالت ہو تو ظاہر ہے کہ اپنے خواب کی تعبیر خواب دیکھنے والا ہی کر سکتا ہے۔ وہی ماضی کے واقعات کو یاد کر سکتا ہے اور بتا سکتا ہے کہ اسے خواب دیکھنے سے ایک دن قبل کیا واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے اسے خواب آیا۔ ہی وجہ ہے کہ تجربہ نفس کے دوران میں خوابوں کی تعبیر کرنے کے لئے خواب دیکھنے والے ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اگر دیکھنے والا ہمیں خواب کے حلق کا حقدار گاہ نہیں کر سکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواب کے حلق پوری واقفیت تو رکھتا ہے۔ لیکن وہ اپنے اس علم سے بے علم ہے۔ اس لئے اس کا یہ یقین ہے کہ وہ خواب کی تعبیر نہیں کر سکتا۔ اس مسئلے میں فرانز نے لکھا ہے۔^۱

”1889ء میں میں نے نینسی میں لی ایپال اور برنٹم کا ایک سوئی (Hypnotic) تجربہ

۱۔ تھوڈی پیمبر ص 85 مقالہ ”انجیل نفسی اور تعبیر خواب“

ملاحظہ کیا۔ اس شخص پر تنویری کیفیت طاری ہو گئی۔ اس شخص پر اس کیفیت کے دوران میں اختلال (Somnambulim) اور اقتباس حواس (Hyllucnation) کے تجربات کئے گئے۔ ہوش میں آنے پر پہلے پہل تو وہ اپنے مشاہدے سے بالکل مطلع نہ کر سکا۔ برہنہ نے اُسے یقین دلایا اور مجبور کیا کہ وہ اس کیفیت کے دوران کے تمام واقعات جانتا ہے اور وہ ہر اسکا ہے۔ اس پر اس شخص نے غور کرتا شروع کیا اور رفتہ رفتہ وہ تمام واقعات بلا کم و کاست دہرانے میں کامیاب ہو گیا۔ خواب سے لاعلمی ظاہر کرنے والے کا بھی یہی حال ہے۔"

نورانی امراض میں بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں جو بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی اہمیت کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کا دہوتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ کوئی صبح نیند میں خلل اٹھا رہا ہوتا چاہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ سونے والے کو بیدار کرے۔ لیکن اس کے خلاف اور نیند کی حمایت میں جو طاقت بروئے کار ہوتی ہے وہ صبح کا اثر زائل کرنے کے لئے اس کو تکمیل خواہش کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے اور سونے والا نہایت گہری نیند سو رہتا ہے۔ فرانز اپنا ایک خواب یوں بیان کرتا ہے کہ اُسے ایک دفعہ کسی تکلیف کے باعث اپنے فوطوں پر چلنے کا وعدہ کر سوتا تھا۔ اس سے درد میں تخفیف ہو گئی اور سو گیا لیکن کچھ دیر بعد درد پھر شروع ہو گیا اور چلنے کا وہاں رہنا وہ پھر ہو گیا۔ چلنے اور درد یہ صبح تھے جو سونے کے خلاف عمل ہو رہا تھا اور بیدار کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ لیکن نیند نے اس صبح کو ایک اور صورت میں تبدیل کر دیا اور فرانز نے خواب دیکھا وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہے۔ اگر وہ خواب نہ دیکھتا تو شدت درد سے بیدار ہو جانا لازمی تھا۔

چھوٹے بچوں کے خواب تمام ہی نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کو صاف طور پر واضح کرتے ہیں۔ دن میں جو بات پوری نہیں ہو پاتی وہ خواب میں پوری ہو جاتی ہے۔ فرانز نے اس کی مثالیں لے بھی دی ہیں:

- 1۔ ایک سال اور دس ماہ کے بچے کو جنم دن کی تقریب پر بچوں کی ایک فیکری کسی کو پیش کرنا تھی۔ اگرچہ اُسے بھی اس میں حصہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن پھر بھی اس نے بے دلی سے تھوڑے پیش کیا۔ اگلی صبح اس نے اپنا خواب بیان کیا۔ "میں تمام بچوں کو لے گیا۔"

2۔ ایک سو اٹھ سال کی بچی پہلی مرتبہ کسی مہیل پر سیر کی فرض سے گئی۔ جب وہ اپنے والدین کے ساتھ شیشی سے اترنے لگی تو اس نے کہا کہ وقت سختی جلدی گزر گیا ہے اور اس نے شیشی سے نہ اترنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ صبح اس نے بیان کیا کہ ”رات میں وہی مہیل میں سیر کر رہی تھی۔“

بچوں کے خواب کی تعبیر بہت آسان ہوتی ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے صرف اُن کے دن کی حرکات و سکنات کا جاننا کافی ہے۔ ان کے خواب ہمیشہ دن کے واقعات کا رد عمل اور نا آسودہ خواہشات کی تکمیل ہوتے ہیں۔

بالوں کے خواب سمجھنے میں وقت ہوتا ہے ان میں اگرچہ تکمیل خواہش ہی ہوتی ہے مگر وہ اتنی غلط ملط ہو جاتی ہے کہ بظاہر خواب اور اُس کے اصل مطلب کا کوئی تعلق ہی نظر نہیں آتا۔ خواہش مزاحمت (Resistance) کے ذریعے کوئی ایسی صورت اختیار کر لیتی ہے جو آسانی سے پہچانی نہیں جاسکتی۔ ان کی تعبیر صرف حلازم اختیاری (Free Association) کے ذریعے ہی ممکن ہوتی ہے۔ خواب جب پیچیدہ ہوں اُن کے سمجھنے میں کافی دق ہوتی ہے۔ نا آسودہ خواہشات جب لاشعور سے نکل کر محسوس میں آنا چاہتی ہیں تو دباؤ (Repression) پرری قوت سے کوشش کرتا ہے کہ وہ باہر نہ نکلنے پائیں۔ اس لئے مجبوراً یہ خواہشات ایسا روپ بھرتی ہیں جن سے شعور کو دھوکا دیا جاسکے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ خواب بظاہر خواہش کی ضد ہوتا ہے۔

فرائڈ کے ایک دوست نے اُسے بتایا کہ ”اس کی بیوی نے کل رات خواب میں جنس آتے دیکھا ہے۔“ اور اس کا مطلب دریافت کیا۔ فرائڈ نے کہا کہ ”آپ کی بیوی حاملہ ہے اور اس کو جنس آنا بند ہو گیا ہے اس کی یہ خواہش ہے کہ چند دن اور آزادی کے مزے لوٹے۔ خواب کی مدد سے اس نے اپنے تئیں حاملہ ثابت کیا ہے۔“

اسی سلسلے میں ایک اور خواب دیکھئے۔ اس خواب کی خصوصیت یہ ہے کہ خواب دیکھنے والی ایک نوجوان عورت نے یہ خواب فرائڈ کے نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لئے بیان کیا۔

”آپ کو معلوم ہوگا کہ اب میری بیوی بہن کا صرف ایک ہی لڑکا چارلس رہ گیا ہے میں اس کے پاس ہی رہا کرتی تھی کہ اس کا بڑا لڑکا آٹو مر گیا۔ آٹو کو میں بے انتہا چاہتی تھی۔ حقیقت میں

اس کی پردوش میں نے ہی کی تھی۔ میں چاہتی تو چارلس کو بھی ہوں۔ لیکن اتنا نہیں اب میں نے کل رات خواب میں اپنے سامنے چارلس کو مرادیکھا ہے۔ اس کی قش چھوٹے سے صندوق میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور چاروں طرف موم بتیاں روشن تھیں۔ القصد یہ منظر بالکل آنوکے موت کی مانند تھا۔ اس خواب سے میرا دل سخت ڈھبی ہو گیا ہے۔ فرمائیے اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا میں اتنی بری ہوں کہ بہن کے انکھوتے بیٹے کی موت کی خواہشمند ہوں؟ کیا اس خواب کا یہ مطلب ہے کہ آنوکے بجائے چارلس مر جاتا؟

فرائڈ نے اُسے یقین دلایا کہ یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں۔ چنانچہ تجربہ کے بعد ذیل کے حالات معلوم ہوئے۔ یہ نوجوان عورت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کی پردوش اس کی بڑی بہن نے کی۔ گھر آنے جانے والوں میں سے ایک شخص سے اُسے محبت ہو گئی۔ دونوں کو یقین تھا کہ ان کی شادی ہو جائے گی۔ لیکن اُس کی بہن نے چند وجوہ کی بنا پر اس دشتے کو قطع کر دیا۔ اس نوجوان کا آنا جانا بند ہو گیا۔ آنوکے موت کے بعد اس نوجوان لڑکی نے خود اس سے ملنے کا راستہ نکال لیا۔ اس کا محبوب پردو فیر تھا جہاں کہیں اُسے تقریر کرتا ہوتا تو یہ لڑکی حاضرین میں موجود ہوتی۔ لیکن کوشش کرتی کہ پردو فیر اُسے دیکھنے نہ پائے۔ اس خواب سے ایک دن پہلے اس لڑکی نے فرائڈ کو بتایا تھا وہ اس دن ایک ایسے جلسے میں چارلی تھی جہاں پردو فیر تقریر کرنے والا تھا اور اگلے کا ٹکٹ اس کے پاس موجود تھا۔ فرائڈ نے اس لڑکی کو ایسا کوئی واقعہ ہر اُسے کو کہا جو آنوکے موت کے بعد پیش آیا تھا۔ لڑکی نے بتایا کہ آنوکے موت پر وہ پردو فیر ایک مدت کے بعد اُن کے ہاں آیا اور اس نے اُسے شخص کے پاس ایک نذر دیکھا۔ یہ سن کر فرائڈ نے خواب کی تعبیر یوں کی۔

”خواب میں تمہاری یہ خواہش پوری ہوئی ہے کہ اگر دوسرا بچہ بھی مر جائے تو یہ واقعہ ظہور میں آئے گا۔ پردو فیر ماتم پر سی کے لئے آئے گا اور تم اُسے پھر ایک بار دیکھ سکو گی گویا یہ خواب پردو فیر کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش ہے جس کو دبانے کی تم کوشش کرتی ہو لیکن تمہاری بے صبری خواب سے عیاں ہو گئی۔“

تعبیر خواب کا کام زیادہ آسان نہیں بلکہ اس کے لئے کافی ذکاوت و ذہانت اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے تجربہ کار محاذامز اُتیاری کے ذریعے ماضی کے حالات کریدتا ہے اگر محاذامز معمولی ہو تو تعبیر آسانی سے کی جاسکتی ہے لیکن محاذامز کی شدت کی صورت میں کافی حد و جہد کی

ضرورت ہوتی ہے۔

خواب کی تعبیر کرتے وقت صرف ایک عنصر کو لے کر اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ پھر ان ملازم اختیاری کو جو ان عناصر سے پیدا ہوتے ہیں ان میں وہ تعلق تلاش کیا جاتا ہے جو مختلف عناصر کو ملاتا ہے۔ یہ کیسے کیا جاتا ہے اس کی مثال خود فرما نے دی ہے۔^۱

”ایک نو جوان عورت کی شادی کو کافی عرصہ ہو گیا تھا خواب دیکھتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ تھینڈر میں ہے۔ بچوں کی ایک رو با نکل خالی ہے۔ اس کے خاوند نے اس کو بتایا کہ ایلیز اور اس کے محبوب نے اندر آنا چاہا لیکن وہ صرف ناموزوں جگہ حاصل کر سکے۔ تین تینیں ڈیڑھ فلا رن کے عوض اور وہ پچھتایا یہ جگہ نہیں لے سکتے۔ عورت نے جواب دیا کہ اس کے خیال میں اس طریقے سے انہوں نے کوئی خسارہ نہیں اٹھایا۔“

تجزیہ نفس کے دوران میں مریض نے بتایا کہ اس خواب کی وجہ ایلیز کے متعلق ایک خبر ہے جس سے اس کے خاوند نے ایک دن قبل مطلع کیا کہ ایلیز کی متعلق ہو گئی ہے ایلیز مریض کی ہم عمر تھی۔ یہ خواب اس خبر کا رد عمل تھا۔

”خالی رو۔“ ملازم اختیاری کی مدد سے معلوم ہوا کہ یہ گزشتہ بیٹے کے واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ ہوا میں کہ اس نے ایک خاص کھیل دیکھنے کے ارادے سے قبل از وقت تھینڈر کے ٹکٹ زیادہ قیمت دے کر خرید لئے تھے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ بچوں کی ایک رو با نکل خالی تھی۔ اس نے خواہ مخواہ غلط کی۔ ورنہ اس دن ٹکٹ خریدنے پر جگہ بھی مل جاتی اور نقصان بھی نہ ہوتا۔

”ڈیڑھ فلا رن۔“ یہ بھی ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ خواب سے ایک دن قبل اس نے سنا کہ اس کی نند کو اس کے خاوند نے 150 فلا رن بطور تحفہ دیئے۔ وہ فوراً ہی جوہری کی دکان پر گئی اور ساری رقم کے زیورات خریدے لائی۔

”تین تینیں۔“ اس کے متعلق ملازم خیالات کے ذریعے کسی بات کا پتہ نہ چل سکا۔ صرف اتنا یاد آ یا کہ اس کی سہیلی ایلیز اس سے تین ماہ پہلے تھی۔ مگر اس کی شادی دس سال سے ہو چکی تھی۔

”دو دھبیوں کے لئے تین ٹکٹ۔“ اس کے متعلق کوئی اطلاع نہ مل سکی۔

اب ان عناصر اور اُن کے متعلق جو کلیات حلازمہ کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں ان کی روشنی میں خواب پر جب غور کرتے ہیں تو ہمیں خواب بمعنی معلوم ہونے لگتا ہے۔ "وقت" کے متعلق اشارت قابل غور ہیں۔ اس نے تین نکات "بہت جلدی" خریدے اور اُسے مقررہ قیمت سے کچھ زیادہ ادا کرنا پڑا۔ عینہ اس کی تندرختہ لپٹے بی بی الفور جو ہری کی دکان پر گئی اور وہاں سے "فورا" زبرد خرید لائی۔ "جلدی" کا تعلق ہر عنصر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جس کی روشنی میں فرائڈ نے تعبیر یوں کی ہے کہ:

"حقیقتاً یہ میری مصافحت تھی کہ میں نے شادی کرنے میں اتنی جلدی کی ایلیز کی طرح آخر کار مجھے بھی کوئی سوزوں خاوند مل جائے (جلدی میں نکلت خریدنے اور نند کے زبرد خریدنے کے اشارے اس کی وضاحت کرتے ہیں) تھیز جانا شادی کے مترادف ہے ممکن تھا کہ میں رقم سے سوگنا زیادہ بہتر پالیتی (150 فلارن اور 1۴50 فلارن کی نسبت 100۴1 کی ہے) فلارن جینز کا جائز مقام ہے۔ زبرد اور ناموزوں جگہ دونوں خاوند کو ظاہر کرتے ہیں۔ "تین" مرد کے عضو خصوص کی علامت ہے۔ یعنی خود خاوند میں متاسف ہوں کہ کیوں اتنی جلدی شادی کر لی۔"

اس تعبیر سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

1- اس خواب میں زیادہ زبرد "جلدی" پر ہے۔ حالانکہ اصل خواب میں ایسا کبھی نظر نہیں آتا۔ لاشعور نے ایسا جامہ پہن رکھا ہے کہ اس کے اندر سے اصل چیز دکھائی نہیں دیتی۔ اسے صرف حلازمہ اختیاری کے ذریعے نکالا گیا ہے۔

2- خواب کے مختلف ٹکڑے مکمل معلوم ہوتے ہیں ان میں رہا بھی نہیں ہے لیکن جب تعبیر کی گئی ہے تو ان میں ایک رہا پیدا ہو گیا ہے اور ہر ٹکڑا ایک حقیقت کا حامل نظر آتا ہے۔

3- اصل خواب اور اس کے مطلب میں جو رشتہ ہے وہ بہت عجیبہ ہے جو مطلب نکلا ہے اس میں خواب کے عناصر موجود نہیں ہیں۔

خواب میں عجیبہ گی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے جس پر کافی غور و خوض کی ضرورت ہے۔ عالم بیداری کی طرح خواب میں بھی انسان مختلف کیفیات کی منازل سے گزرتا ہے۔ کبھی

ہنتا ہے، کبھی روتا ہے، کبھی خوف کھاتا ہے۔ کبھی غصہ میں آتا ہے۔ بعض اوقات بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے اور کبھی جوان مردی کا۔ اس کا باعث اخلاقی تربیت، ذہنی رجحان، عضوی خصوصیات ہوتے ہیں۔ اکثر انسان سماجی ماحول مذہبی قیود اور قانون سے خوف کھا کر اعمال کرتا ہے۔ اصل خواہشات کو دباتا ہے۔ حالانکہ جبلتی تقاضے بالکل اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس رویے کی وجہ سے وہ ایک وقت میں دو کشتیوں پر سوار ہوتا ہے۔ ایک طرف جبلتی تقاضے ہوتے ہیں۔ بنیادی جذبات آسودگی چاہتے ہیں اور دوسری طرف ماحول کا خوف ہوتا ہے۔ چنانچہ اس خوف اور آرزو کے تصادم سے خواب کے اندر دو پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔

”خواب سے بنا آسودہ آرزو تسکین پاتی ہے۔“ لیکن بعض خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس نظریہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ فرائڈ نے اس کی پر زور تردید کی ہے۔ وہ بتاتا کہ خواب کا مواد دو قسم کا ہوتا ہے ایک مواد بینہ (Manifest Content) اور دوسرا مواد مخفیہ (Latent Content) مواد بینہ وہ خواب ہوتا ہے جو دیکھنے والا سمجھ نہ سکتا ہے اور مواد مخفیہ خواب کا پوشیدہ معلوم جو تجزیے کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایک خواب جو بظاہر افسانہ یا معلوم ہو مگر حیرت و تجزیہ کرنے پر آرزو کی تکمیل ثابت ہو جائے۔ خواب میں یہ تسکین (Distortion) کس طرح ہوتی ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرائڈ اپنا ایک خواب بیان کرتا ہے۔

”1897ء کے موسم بہار میں مجھے خبر ملی کہ دارالعلوم کے دو خطیبوں نے مجھے اسسٹنٹ پروفیسر کے منصب کے لئے منتخب کیا ہے مجھے بالکل اچانک طور پر یہ خبر ملی اور اس کے باعث مجھے حیرت ہوئی۔ چونکہ اربابِ اجتماع کی ہمدردی میں کسی مصیبت کا شائبہ نہ تھا۔ لیکن فوراً ہی میں نے خیال کیا کہ مجھے اس واقعہ سے کسی قسم کی امید وابستہ نہیں رکھنی چاہئے۔

چونکہ گزشتہ چند سال کے اندر دارالعلوم کے اربابِ علم و عقیدہ نے اسی قسم کی تجویز پر کوئی غور و خوض نہیں کیا اور میرے متعدد شرکائے کار جو مجھ سے زیادہ معمر اور استعدادِ علمی کے اعتبار سے مساوی درجہ رکھتے تھے اپنے تقرر کے لئے عیثِ انتظار کر رہے تھے اس لئے کوئی وجہ تھی کہ اپنے متعلق کسی کامرانی کا خیال کروں اس کے بعد میں نے خود کو تسکین دینی شروع کی کہ جہاں تک میں مطالعہِ باطن کرتا ہوں مجھے زیادہ خواہش بھی نہیں۔ چونکہ میں اپنے مطلب کے مشاغل میں کسی مزید

لقب کے بغیر زیادہ کامیاب ہوں اس کے علاوہ یہاں یہ سوال ہی نہیں تھا کہ ”انگور شیریں ہیں یا ترش؟“ کیونکہ بھینٹا یہ میری دسترس سے زیادہ بلندی پر ہے۔ ایک دن شام کے وقت میرے ایک شریک کارجن کی قسمت کے مطالعہ سے میں نے اپنی ناکامی کا نتیجہ نکالا تھا مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ وہ مدت سے ہروفیسر کے عہدہ کے لئے امیدوار تھے اور اپنے حصول مقصد کے لئے میری بہ نسبت زیادہ تلے ہوئے تھے۔ چونکہ ایک طبیب کو ہروفیسری کا عہدہ ”نائب خدا“ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے وہ دو تاقوت دار اطوم کے دفاتر میں اپنی درخواستیں بھیجنے کے عادی تھے اس قسم کی ایک سلی لاسمل کر کے وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ انہوں نے اس مرتبہ ایک گوشہ میں دفتر کے ایک معزز رکن سے دریافت کیا کہ میری ناکامی میں عطا کردہ تو غفلت نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یقیناً موجودہ کے ہوئے ہزار کسٹینسی کو اس کا موقعہ نہیں۔ اس کے بعد میرے دوست نے اور باتیں کہیں جن سے میری ناامیدی کے خیال میں مزید توثیق ہوئی کیونکہ وہی عقیدہ کا سوال میرے متعلق بھی پیدا ہو سکتا تھا۔

اس ملاقات کے بعد دوسرے دن میں نے مندرجہ ذیل خواب دیکھا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل غور ہے۔ میرا دوست ”ز“ میرا بچا ہے میں اس کے لئے قلب میں بڑی محبت پاتا ہوں۔ اس کی صورت کسی قدر خفیر ہے۔ چہرہ کتابی ہے اس کے ارد گرد زور رنگ کی داڑھی ہے جو صاف اور نمایاں ہے پہلے میں نے اس خواب کی تعبیر نہ کی اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ بالکل انمواد ”انفساٹ احلام“ ہے لیکن تمام دن باوجود کوشش بھی میں دماغ سے اس کا خیال دور نہ کر سکا۔ آخر کار شام کے وقت میں ان الفاظ میں خود کو ملامت کرنے لگا اگر کوئی دوسرا شخص تعبیر کے وقت اسے لغو یا مہمل کہتا تو تم اسے بہت ڈانٹتے اور شہ کرتے کہ خواب کے پس پردہ بعض ایسے ناخوشگوار معاملات ہیں جنہیں خواب کا دیکھنے والا ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے میں نے آخر کار اس کی تعبیر سمجھنے کی کوشش کی اور میں اس طور سے غور کرنے لگا ”ز“ میرا بچا ہے اس کے کیا معنی؟ میرے تو ایک ہی بچا ”یوسف“ ہیں۔ یقیناً ان کا قصہ ہر انسوس ہے۔ وہ بعض ایسے اشغال کے دلدادہ تھے جنہیں قانون حکومت قابل مواخذہ نہیں مانتا ہے اور جس پر میرے بچا کو سزا بھی ملی میرے والد جو چند ہی دنوں میں غم کے مارے ضعیف ہو گئے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ تمہارے بچا ”یوسف“ کوئی بد معاش آدمی نہ تھے لیکن یہ تھا کہ وہ سادہ لوح تھے۔

اب اگر میرا دوست "ز" میرا چچا ہے تو یہ بمنزلہ اس خیال کے ہے کہ "ز" سادہ لوح (Simpleton) ہے لیکن خواب میں جو میں نے صورت دیکھی وہ لمبی تھی اور اس پر زرد داڑھی تھی۔ میرے دوست کی داڑھی بالکل سیاہ تھی۔ لیکن جب سیاہ بال والے لوگ بوڑھے ہونے لگتے ہیں تو ان کی سیاہ داڑھی کے ہر بال میں جدا گانہ ایک ناخوشگوار رنگ کا تغیر ہوتا ہے۔ پہلے پھل یہ سرخی آتا ہے ہارادی رنگ ہو جاتا ہے پھر زردی بال بال ہارادی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس کے بعد بالکل سفید ہو جاتا ہے۔ میرے دوست "ز" کی داڑھی اسی رنگ منزل سے گزر رہی ہے اور اس طرح میری بھی جس کے مشاہدہ سے مجھے افسوس ہوتا ہے۔ خواب کے اندر میں جو صورت دیکھ رہا ہوں وہ بیک وقت میرے چچا کی بھی صورت ہے اور میرے دوست "ز" کی بھی۔ یہ کیپٹن کے مجموعی تصاویر (تکسی) کے مثل ہے جنہیں اُس نے خاندانی مشابہت پر زور دینے کے لئے چند تصاویر کا مجموعہ کی حیثیت سے ایک پلیٹ میں بنا کر کیا تھا اس صورت سے یہ ممکن ہے کہ میں نے حقیقتاً یہ خیال کیا ہو کہ میرا دوست "ز" میرے چچا یوسف کے مثل سادہ لوح ہے۔ ابھی تک میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ میں نے مشابہت کیوں قائم کی؟ میرے چچا ایک مجرم تھے۔ میرا دوست "ز" ایک بے گناہ آدمی تھا۔ شاید انہوں نے صرف ایک مرتبہ ایک امیدوار محرم کو بالکل سے ضرب لگا دی تھی۔ اس لئے انہیں سزا ہو گئی تھی۔ کیا میں اسے ایک جرم خیال کر سکتا تھا۔ اگرچہ مشابہت یہ تھی کہ ایک نہایت احقنا اور مستحکم خیز مواز نہ تھا۔ یہاں مجھے ایک مکالمہ یاد آتا ہے جو مجھ میں اور میرے ایک شریک کار "ن" کے درمیان واقع ہوا تھا اور غالباً اسی موضوع پر تھا۔ ان سے مجھے سڑک پر ملاقات ہوئی وہ بھی پروفیسر کے عہدہ کے لئے منتخب ہوئے ہیں اور جب انہیں معلوم ہوا کہ مجھے بھی یہ اعزاز ملنے والا ہے تو انہوں نے مجھے مبارکباد دی۔ میں نے پر زور لہجہ میں اس کا رد کیا۔ تم آخری آدمی جو اس قسم کی طرافت کر رہے؟ کیا تمہیں اس کا علم نہیں کہ خود تمہارے معاملہ میں انتخاب کو کون سا درجہ حاصل ہے؟ اس پر اس نے کہا (اس میں وہ جوش نہ تھا) تم کو اس کے متعلق یقین نہ رکھنا چاہئے۔ میرے خلاف ایک خاص نذر ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک عورت نے میرے خلاف قانونی استغاثہ کیا تھا میں تمہیں ان فضول باتوں کا یقین دلاتا نہیں چاہتا کہ کس طرح میری تذلیل کی کوشش کی گئی تھی اور کس طرح میں نے مستغیث کو سزا پائی سے بچا لیا۔ لیکن معاملہ دفتر میں پر زور طریقہ سے پیش ہو گا۔ تاکہ میرا فقرہ نہ ہو۔ لیکن تم اس قسم کی بدنامی سے

مبرا ہو۔ فرائڈ کہتا ہے کہ یہاں پر مجھے مجرم کا پتہ چلتا ہے اور ساتھ ہی خواب کی تعبیر بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ میرے بچاؤ صاف میرے دونوں شرکائے کار کی نیابت کر رہے ہیں۔ ایک تو سادہ لوح تھا دوسرا مجرم، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کسی مقصد سے مجھے اس نیابت کی ضرورت ہے۔ اگر عقیدہ کے خیال سے میرے دونوں کا تقرر معرض تعویق میں رہا تو میرے حلق بھی کبھی سوال پیدا ہو گا لیکن اگر میں دونوں احباب کی ناکامی کو دوسرے اسباب کی طرف منسوب کر دوں جو مجھ میں نہیں پائے جاتے تو میری امید کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔ میرے خواب کا ابتدائی ذیہ یہی ہے کہ ”ز“ کو وہ سادہ لوح اور ”ن“ کو مجرم قرار دے رہا ہے۔ چونکہ میں سادہ لوح ہوں نہ مجرم جو حضرات اس منصب کے امیدوار ہیں اس طرح سے ہر طرف ہو گئے۔ اس طور سے مجھے یہ فوسری کا عہدہ ملنے کی امید ہوگی اور میرے نفس نے خبر کی یہ کبیدگی محسوس کرنے سے جو افسر اعلیٰ نے میرے دوست ”ز“ کو دی تھی نہایت پائی۔ فرائڈ لکھتا ہے کہ اب بھی میرا نفس مطمئن نہیں ہے۔ اور مجھے خواب کے اس پہلو پر بحث کرتا ہے جس میں میں نے اپنے حصول مقصد کی غرض سے اپنے دو معزز دوستوں کی تذلیل کی ہے میں اس شخص سے مباحثہ کے لئے تیار ہوں جو یہ خیال کرے کہ میں حقیقتاً اپنے دوست ”ز“ کو سادہ لوح اور ”ن“ کو مجرم خیال کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ خواب کے اندر صرف آرزو کا اظہار کیا گیا ہے کہ واقعہ ایسا حادث ہو یعنی دارا محلولم کے ارباب مل و عقد ”ز“ کو اس کی سادہ لوحی (حالانکہ حقیقتاً میں اسے سادہ لوح نہیں سمجھتا) اور ”ن“ کو اس کے الزام جرم حالانکہ میں اس کے محاسن اخلاق کا مقرر ہوں کے باعث منصب کے لئے ناخرد نہ کریں اور میرا تقرر ہو جائے۔ ”فرائڈ کہتا ہے کہ جب کبھی عالم خواب کی کسی آرزو کا پتہ نہ چلے یا یہ حکیل آرزو پر پردہ خفا میں رہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس آرزو کے خلاف کوئی تضاد احساس کا قریب ہے اور اس تضاد اور رد عمل کے باعث جب کبھی آرزو کو اپنے اظہار کا موقع ملتا ہے تو صرف اس بدلی ہوئی صورت میں معاشرانہ زندگی میں کہاں اس قسم کے نقش عمل کی بدلی ہوئی صورت پائی جاتی ہے؟ صرف وہاں جہاں ایک شخص کچھ طاقت رکھتا ہے اور دوسرا اس طاقت سے اثر پڑ رہے تو یہ دوسرا آدمی اپنے اعمال نفسیہ کو یہ ظاہر بدلی ہوئی صورت میں پیش کرے گا اور ظاہر داری جو ہم روزانہ زندگی میں برتتے ہیں بڑی حد تک نفس کے حقیقی حیثیات کے انتفا یا باطن کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔

یہ اور ایسے خوابوں کی تحلیل سے فرائڈ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ”جب کبھی عالم خواب کی کسی

آرزو کا پتہ نہ چلے یا آرزو غلطی رہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس آرزو کے خلاف کوئی متصادم احساس کار فرما ہے اور اس متصادم اور دو عمل کے باعث جب کبھی نا آسودہ آرزو کو اپنے اظہار کا موقع ملتا ہے تو صرف اس بدلی ہوئی صورت میں ہی وہ ظاہر ہو سکتی ہے۔ ظاہر داری جو ہم اپنی روزمرہ زندگی میں برتتے ہیں وہ بھی نفس کے حقیقی رجحان کے انھن یا باطن کی خلاف روزی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ”مقتضب کی گرفت کی شدت کے باعث خواب کی یہ اور بہت سی حالتیں رونما ہوتی ہیں۔“

تعبیر خواب کے حقائق کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے اور جس طرح اس کے ذریعے مواد عقلیہ کا سراغ ملتا ہے اسی طرح اصل خواب بھی ایک قانون کے تحت ظاہر ہوتا ہے۔ اس کو فعل خواب (Dream-Work) کہتے ہیں۔ اس کی چند ایک صورتیں ہیں۔

وہ طریق یا قانون جس کے ماتحت اصل خواب اپنی موجودہ صورت میں ظاہر ہوتا ہے فعل خواب کہلاتا ہے اور جس طریق سے اسے سمجھا اور اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تعبیر خواب ہے فعل خواب کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان سے ہی پیچیدگی کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

1- اختصار (Condensation) 1۔

فعل خواب کی اس صورت میں خواب کا ایک عنصر بہت سے لاشعور خیالات پر مبنی ہوتا ہے۔ کئی بار خواب کے ضروری عناصر بالکل مفقود ہوتے ہیں اور اکثر تمام لاشعور خیالات یکجا ہوتے ہیں۔ اس حالت میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جتنے خواب کا دائرہ وسیع ہو یا اس کا مافیہ (Content) مواد عقلمند سے زیادہ بھرپور ہو۔ خواب میں اس کا عمل یوں ہوتا ہے کہ:

الف۔ بعض عقلمند عناصر بالکل مفقود ہوتے ہیں۔

ب۔ عقلمند خواب کی بہت سی الجھنوں میں سے صرف چند ناقص جزو مواد جینہ میں نظر آتے ہیں۔

ج۔ بہت سے اشخاص کی صفات ایک ہی شخص میں پائی جاتی ہیں۔

یعنی ایک شخص کا نام (ا) لیکن اس کی شکل (ب) سے ملتی ہے اور اس کے کپڑے (ج) کی طرح کے ہیں اور وہ شخص (د) کا پیشہ اختیار کئے ہوئے

ہے۔ گویا چار اشخاص کی صفات ایک شخص میں موجود ہیں۔
اختصار میں خواب بہت مختصر ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تعبیر بہت طویل ہوتی ہے۔

2- تبدل (Displacement)

خیالات جو خواب میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں بعض اوقات تعبیر میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ برعکس اس کے ایسے خیالات جو خواب میں بالکل معمولی معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے کہ وہ تعبیر میں نہایت ہی ضروری حصہ لیں۔ فرائڈ کی اس مریض کا خواب جس میں "جھلت" کے خیالات اصل خواب میں بالکل معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواب کی تعبیر ہی انہیں کے متعلق ہے۔ اسی طرح اس عورت کے خواب میں جو اکلوتے بچے کو صندوق میں مرا ہو دیکھتی ہے "صندوق" کا خیال بہ ظاہر اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن تعبیر سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لفظ نہایت ہی ضروری حصہ ہوتا ہے۔

3- مناظریت (Dramatization)

"اصل خواب کے خیالات اس طرح آپ میں مربوط ہوتے ہیں گویا وہ کسی دلچسپ کہانی کو بیان کر رہے ہیں یا وہ کسی ڈرامے کے کسی ایک منظر کو ظاہر کر رہے ہیں۔ خیالات اکثر مختلف اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس دلچسپ منظر کو تویر میں سمجھ کر کسی طرح نہیں لایا جاسکتا۔"

4- اشاریت (Symbolism)

فرائڈ اور اس کے پیروؤں نے تعبیر خواب میں اشاریت کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ فرائڈ کے نزدیک جنس کی جہلت کے علاوہ کوئی اور جہلت اتنی اہم نہیں ہے۔ بالغ آدمیوں کے خوابوں میں جنسی اشارے بہت زیادہ ملتے ہیں اور یہ اشارے مخصوص رموز ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق لاشعور سے ہوتا ہے۔ ان کا مطالعہ تعبیر خواب میں بہت مدد دیتا ہے۔

خواب میں مکان کی دیوار کی تعبیر مرد ہے اور چمچے اور کھڑکی کی عورت۔۔۔۔۔ والدین خواب میں بادشاہ اور ملکہ یا کوئی اور معجزہ ہستی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پانی پیدا کن ہے۔ مرنے کی علامت

سلر ہے۔ تھین کا ہندسہ مرد کے عضو مخصوص کا اشارہ ہوتا ہے۔ طویل اور سیدھی اشیاء مثلاً جھتری، جہاز، درخت، پول، نوکدار آلات، چاقو، مخنجر، نیزہ، صندوق، پستول ریمالور بھی مردوں کے اعضاء مخصوص کو ظاہر کرتے ہیں۔ گل، پانی کا حوض یا چشم، لیمپ، چھوٹی بڑی ہونے والی پٹیل، قلم، قلعہ، ناخن تراش، ہتھوڑے عورتوں کے خواہوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان سے بھی وحی مراد ہوتی ہے۔ اگر عورت خواب میں اڑے تو اس کا مطلب وہ مرد بننے کی خواہش مند ہے۔

گڑھے، غار، سو راخ، بوطلمیں، جادو، مختلف اقسام کے صندوق، جیب اور جہاز عورت کے عضو مخصوص کا اشارہ ہوتے ہیں۔ ۱۔

۲۰ بعض علامات صرف رحم کے لئے مخصوص ہیں جیسے کمرے، صندوق، طلاؤہ ازیں مختلف اقسام کی ٹھوس اشیاء جیسے لکڑی، کاغذ اور ان سے بنی ہوئی اشیاء جیسے میز اور کتاب دروازہ اور کھڑکی مبدہ سہل کے سو راخ کی علامات ہیں۔ منہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ گرہے، مندر، سنگار بکس، جواہرات، خزانے، منٹائیاں بھی عورت کو ظاہر کرتے ہیں۔ پستان بھی صنفی عضو کے تحت آتے ہیں۔ ان کے لئے مختلف اقسام کے پھل جیسے سیب، ناشپاتی وغیرہ مقرر ہیں۔ دونوں صنفوں میں موئے زہار، جنگلات، جھاڑیاں اور گھاس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پہاڑی منظر بھی اس علامت میں شامل ہے۔ مختلف قسموں کی حرکات صنفی فعل کے لئے مقرر ہیں۔ لہو و لعل اور پیا نو پر کھیلنا اپنے عضو مخصوص سے کھیلنے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اس کی علامت ہیں۔ چلق کی عادت کسی درخت کی شاخ کھینچنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ دانت نکالنا، یاد دانت کا ٹکٹا چلق کی سزا ہے۔ مباشرت کے لئے گھوڑے کی سواری، ناچ، درختوں پر چڑھنا اور کسی چیز کے نیچے دب جانے کی علامت ہیں۔ ان میں چندوشکاری کے چٹے یا کسی ہتھیار سے دھمکائے جانا بھی داخل ہے۔ چھ ایک علامات ایسی جو دونوں جنسوں کے لئے مقرر ہیں مثلاً چھوٹے بچے (بچی)۔

اب چند خواب سنئے خود ران کی تعبیر دیکھئے جو فرانڈ نے کی ہے۔

ایک نوجوان عورت نے ایک ہی رات میں تین مختلف خواب دیکھے تھے۔

الف۔ وہ اپنے گھر کے بڑے کمرے میں سے گزر رہی تھی کہ اس کا سر قانوس سے جو بہت

۱۔ تحلیل نفسی اور خواب ص ۱۶۲-۱۶۳

۲۔ تہذیبی پیچر۔ فرانڈ ص ۱۶۱-۱۶۲

بچے لنگ رہا تھا اس شدت سے کھرایا کہ خون بہنے لگا۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں جب اس سے دریافت کیا گیا تو اسے کوئی بات یاد نہ آئی۔ بلکہ اس نے ایک ایسی بات کہی جو دوسری طرف لے جانے والی تھی۔ ”میرے بال بے تحاشا آگ رہے ہیں۔ اس پر کل میری ماں نے مجھے کہا تھا کہ اگر بھی حال رہا تو تمہارے چوتھوں کی طرح ہو جائیں گے۔“ یہاں سر جسم کے نچلے حصے کا اشارہ یہ نظر آتا ہے۔ فانوس لنگ رہا ہے۔ یہ مرد کا عضو مخصوص ہے۔ خواب میں سب اشارے صاف ہیں۔ یعنی لڑکی اپنا نچلا حصہ دیکھتی ہے۔ جہاں سے خون بہ رہا ہے اور اس کا باعث عضو مخصوص ہے۔ اسکی ایک اور تعبیر بھی کی جا سکتی ہے اور وہ حیض کا بہنا ہے۔ بعض نوجوان لڑکیاں طیال کرتی ہیں کہ حیض مرد سے مباشرت کرنے کے بعد جاری ہوتا ہے۔

ب۔ اس لڑکی نے دیکھا کہ تاکستان (Vineyard) میں ایک گہرا گڑھا ہے۔ جو وہ جانتی تھی کہ کسی درخت کو جڑ سے اکھیڑے جانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ جب اسے کہا گیا کہ اس کے متعلق کوئی اور بات یاد کرے تو حلازم اختیاری کے ماتحت فوراً بولی ”درخت غائب تھا“ جس سے اس کا مطلب تھا کہ خواب میں اس نے درخت نہیں دیکھا۔ ان الفاظ سے لاشعور کا ایک اور خیال مریاں ہو گیا اور وہ اشارہ ہے اس لڑکی کو بچپن سے یہ طیال تھا کہ لڑکیوں کے بھی اعضا لڑکوں ایسے ہوتے ہیں لیکن بعد میں آنکلی (Costration) کے ذریعے انھیں کاٹ دیا جاتا ہے۔ (درخت کا اکھاڑنا)

ج۔ لڑکی اپنی لکھنے والی میز کے دروازے کے پاس کھڑی ہے اور جانتی ہے کہ جو جنسی کسی نے اسے چھوا وہ جان جائے گی۔۔۔۔۔ میز کا دروازہ اشارہ ہے عورت کے عضو مخصوص کا۔ اس کی تعبیر یہ تھی کہ وہ جانتی تھی کہ جنسی مباشرت کے بعد اس امر کا پتہ چل جاتا ہے اور اس وہ کے نتائج سے خوف کھاتی تھی۔ ان تینوں خوابوں میں ”جاننے“ پر زور دیا گیا ہے۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ اسے بچپن کے تجسسات یاد تھے جو اس نے جنس کے بارے میں کئے تھے اور اس زمانے میں وہ اس بات پر بہت نازاں بھی تھی۔

ایک اور خواب سنئے۔ ۱۔

ایک عورت نے خواب دیکھا کہ ایک آفیسر سرخ ٹوپی پہنے اس کا تعاقب کر رہا ہے وہ بھاگ

کر سیر میوں پر چڑھ گئی اور افسر بھی اس کے پیچھے ہے۔ عورت کا سانس پھول گیا ہے اور اپنے کمرے میں جا پہنچتی ہے اور اندر سے دروازہ بند کر لیتی ہے۔ افسر باہر رہ جاتا ہے۔ اندر سے عورت دروازے کے صید سے باہر دیکھتی ہے تو اُسے مرد بچا پر بیخار دتا نظر آتا ہے

اس خواب کی تعبیر کرنے سے پہلے اُن حالات کا ذکر ضروری ہے جن میں یہ خواب دیکھا گیا۔ ایک مرد عورت جو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ایک رات اکٹھے سو گئے انہوں نے اس بات کا خیال رکھا کہ مباشرت کے دوران میں خارج شدہ مادہ عورت کے اندام لہانی میں نہ جانے پائے۔ دوسرے دن صبح اٹھتے ہی عورت نے یہ خواب سنایا۔

اشارات کی روشنی میں سرخ ٹوپی والے افسر کا تعاقب کرتا۔ سیر میوں پر چڑھتے ہوئے دم پھول جانا یہ جنسی فعل ہے۔ خواب میں عورت نے دروازہ بند کیا ہے۔ حالانکہ بیداری میں مرد نے یہ احتیاط برقی تھی اور حمل کے امکانات کو روک دیا۔ عورت نے اپنے قلق کو اپنے ساتھی پر منتقل (Project) کیا۔ اس لئے اُسے مرد دروازہ دکھائی دیا۔ مرد کے آنسو خارج ہونے والا مادہ بھی ہے۔ اس خواب کی روشنی میں فرائڈ لکھتا ہے اور تجزیہ نفس کے ماہرین کہتے ہیں کہ ہر خواب میں جنس موجود ہوتی ہے۔ اس کی صداقت ان خوابوں سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کا پہلو بھی صاف ہے.....

خواب اور اس کی تعبیر یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے جس پر فرائڈ اور اس کے پیروؤں نے بہت زیادہ کام کیا ہے۔ اس مختصر کتاب میں ہم بہت اختصار سے موٹی موٹی باتوں کا ذکر کر پائے ہیں۔ تجزیہ نفس میں خواب کی اہمیت کا اعتراف ان نظریات سے لگ سکتا ہے جن کی روشنی میں فرائڈ نے زندگی کے سارے مقصدوں کو حل کیا ہے.....

ایک جائزہ

کبھی آپ کو پاگل خانے جانے کا اتفاق ہو تو وہاں آپ ایک ایسا نظارہ دکھائیں گے جو نہ صرف آپ کے لئے سوہان روح ہو گا بلکہ آپ کو اپنے انسان ہونے پر شرم محسوس ہوگی۔ وہاں انسان "بند" ہیں اور ان کی حالت جانوروں سے بدتر ہے۔ یہ لوگ دماغی عارضوں کا شکار ہیں۔ طب انہیں تندرست نہیں کر سکتی۔ جسمانی سزا کے ذریعے انہیں راہِ راست پر لانے کی کوششیں بے کار ثابت ہو رہی ہیں۔ برسوں ایک انسان اس چار دیواری کے اندر سکتا رہتا ہے۔

ابھی کوئی زیادہ مدت نہیں گزری کہ مسویا اور وہابی چاریوں تک کو بھوت پریت کا اثر قرار دیا جاتا تھا اور ہمارے دیہات اور قصبات میں تو ابھی تک ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ تجزیہ نفس کا انسانیہت پر سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے دماغی چاریوں کا علاج تلاش کیا ہے۔ یہ ایک ایسا علاج ہے جس کے ذریعے طیب بھی دماغی اور مسمیٰ امراض کا علاج کر سکتا ہے۔ تجزیہ نفس کا مسودہ سکریٹ فرائیز خود طب کے پیشے سے تعلق رکھتا تھا۔ جب پہلے پہل اس نے اپنی تحقیقات اپنے ہم پیشہ اکسروں کے سامنے پیش کیں تو اس کا تسلیم اڑایا گیا۔ اسے "بیوقوف" قرار دیا گیا لیکن اب وہ دقت ہے کہ تجزیہ نفس کے ذریعے ڈاکٹر دماغی امراض کا علاج کرتے ہیں۔

اب طبی اور سماجی مسائل کے دو میدان تجزیہ نفس ایک اہم کڑی ہے۔ طب کی نئی تحقیقات میں ایک نیا زاویہ نگاہ کام کرنے لگا ہے۔ جو اسے تجزیہ نفس کی بدولت میسر آتا ہے۔ اب اس بات پر زور دیا جانے لگا ہے کہ انسانی جسم میں جنسی دہاء دماغی تشکیش وغیرہ سب کے سب حرکی یا (Functional) ہوتے ہیں اور ان کا اثر امعاء کے کام پر پڑتا ہے۔

نوراسمز (امعصابی امراض) میں طب لاچار تھی۔ تجزیہ نفس نے اس میدان میں سب سے زیادہ اچھے نتائج پیدا کئے ہیں۔ نوراسمز میں طب کی بے چارگی سے دو ہزار نقصان تھا۔ ایک مریض

تندرست نہیں ہوتا تھا اور دوسرے نم حکیم مریضوں کو خوب پتہ تو فہم ہوتا تھا۔ ہر ڈاکٹر کو اپنی تعلیم کے دوران میں جسم کی ساخت اور اعمال پر جس قدر توجہ دینی پڑتی ہے اس کے منظر شیر بھی ذہن پر مرکوز نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ڈاکٹروں کو (Pathology) پر سوچنے وقت نفسیات سے مدد لینے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو یہی کرتے ہیں کہ مرض کے خارجی اسباب اور علامات کو دیکھا اور نسخہ تجویز کر دیا۔ وہ مرض کے نفسیاتی پس منظر کے مجھوت میں پڑنا نہیں چاہتے۔ اس لیے ذہنی کا ہی نتیجہ ہے کہ آج پاگل خانے کے اندر جا کر بہت کم لوگ تندرست ہوتے ہیں۔ وہاں ڈاکٹر ذاتی اعمال کو نظر انداز کر کے محض جسمانی علامات کو سامنے رکھتے ہیں۔

ہمارے ہاں میڈیکل کالجوں میں پانچ برس کے نصاب میں نفسیات پر دو ایک لکچر دلا کر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہونے والے ڈاکٹر کو نفسیات کا احاطہ ہی کافی ہے پھر جنس مسائل کو بالکل نہیں پست ذرا ل دیا جاتا ہے۔ گویا ڈاکٹر کے لئے جنس اور اس کی ذاتی اثرات ایک غیر ضروری موضوع ہے۔ اعضاء کی ساخت اور جبر پھاڑ سکھادی جاتی ہے لیکن جنس کا نام لینا اسی طرح ”منوع“ ہوتا ہے جس طرح لڑکیوں کے سکول میں مومنو دیکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر جب ڈگری لے کر کالج سے نکلتا ہے تو وہ ایک عام آدمی سے زیادہ جنس کے متعلق علم نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ مرض کے اسباب میں جنس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اپنے علم کو کھل کرنے کی بجائے وہ سرے سے انکار کئے جاتا ہے۔

اب ہر ڈاکٹر کو تجربہ نفس کا کافی علم ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر طب مکمل نہیں ہونگي طب کے مختلف شعبوں میں ہر ڈاکٹر ماہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہر ڈاکٹر کو طب کے تمام شعبوں کا کچھ نہ کچھ علم ہونا لازمی ہے۔ تجربہ نفس بھی طب کا ایک شعبہ ہے۔ اس لئے ہر ڈاکٹر کو اس کے بنیادی اصولوں سے واقف ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے مریضوں کی مدد کر سکے۔ اس سے یقیناً مرض کی تشخیص میں سہولتیں ہوں گی۔ بچپن اور عسوان شباب کے زمانہ میں ایک ڈاکٹر جو تجربہ نفس کے اصولوں سے آگاہ ہے اپنے مفید مشوروں سے دائمی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے اور فرد کو آئندہ کی خوشی کے راستے پر گامزن کر سکتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچپن کا یہ مشورہ آئندہ زندگی میں اعصابی مرض پیدا ہی نہ ہونے دے۔

اگر ایک طبیب مریض کی تشخیص کرتے وقت مختلف جہتوں جنس خواہشات نظر ت وغیرہ کا

خیال رکھے اور دیکھے کہ ان کی وجہ سے جسمانی اور ذہنی طور پر مرض میں کتنا اضافہ ہوا ہے تو چھینا وہ زیادہ کا حساب رہے گا۔ جنہوں کا تعلق ان رجحانات سے ہوتا ہے جو انسان کے جسم کے اندر کی صورت میں موجود ہیں ان (Germ Cell) کا گہرا تعلق جسمانی اعمال سے ہے اور ان اعمال کے ذریعے ہی جسم میں بہت سی کیمیائی اور عضویاتی تبدیلیاں ہوتی ہیں تجزیہ نفس ان تبدیلیوں کی اساس کو زیرِ تحقیق لاتا اور یوں جسم اور ذہن کے مطالعہ میں ایک سلسلہ قائم کر دیتا ہے۔ ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کی رو سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ کئی ایسی (Anatomical) تبدیلیاں ہوتی ہیں جن کا باعث نندراسز یا لاشعور کی ذہنی تکلیف ہوتا ہے۔

دیوانگی نفسیاتی اور جسمانی حالتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ بہت سی حالتوں میں دیوانگی بلاشبہ جسمانی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کی تہ میں بھی نفسیاتی اسباب ہوتے ہیں جنہیں ایک ماہر نفسیات ہی سمجھ سکتا ہے۔

اس سلسلے میں تجزیہ نفس کی تحقیقات قابلِ ستائش ہے۔ دیوانگی کی اقسام میں سے (Dementia Praecox) بہت عام ہے۔ تجزیہ نفس کے ذریعے اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے اسباب کو کربد کیا ہے۔ ابتدائی صورتوں میں ایسے دیوانے کافی تندرست بھی ہو گئے۔ اس سلسلے میں (Paranoia) خبط (Mania) مانچولیا (Melancholia) بھی آتے ہیں۔ ان کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور کیوں ہوتی ہے۔ اس پر تجزیہ نفس کے ادب میں کافی مواد موجود ہے۔

طب اور تجزیہ نفس کا استخراج حیرت انگیز نتائج پیدا کر رہا ہے۔ کئی فرائض اکیلا تھا لیکن آج ہزاروں ماہرین طب تجزیہ نفس سے استفادہ کر رہے ہیں۔

تجزیہ نفس کا عملی پہلو تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ فرائض کی تحقیقات کے مطابق بچہ معصوم نہیں ہوتا بلکہ پانچ برس کی عمر تک وہ بہت کچھ جان چکا ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بچے کو ایک مضمی کو پل کہا جاتا جسے حد مرچا ہیں سوڑ دیں۔ لیکن نئی تحقیقات اس کو گنج نہیں سمجھتی۔ یہ کوئیل مڑتی نہیں نیز می ہو جاتی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔

تجزیہ نفس کی تحقیقات سے جو روشنی ہمیں میسر آتی ہے اس کے ذریعے ہم بچوں کو نئے طریقوں سے تعلیم دے سکتے ہیں۔ تعلیمی اصول تجزیہ نفس کے نظریات کے مطابق مرتب کئے جا

سکتے ہیں۔ یہاں تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔ مختصر اہد نکات بیان کئے جائیں گے۔
 بچے کی فطرت میں علم کی تلاش ہوتی ہے اور اس کے لئے وہ تجسس کرتا ہے۔ لیکن جو مٹی
 اسے تعلیم کے لئے استاد کے سپرد کیا جاتا ہے وہ اس کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ
 شعوری یا غیر شعوری طور پر سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا اس پر کڑی تنقید ہے۔ اس کی "بھڑکی" کے لئے جو
 ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان سے بچے کی بھڑکی تو کیا ہوگی۔ اتنی ہوتی جاتی ہے۔ اس
 زمانے میں بچہ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے لیکن استاد اس فطری رجحان پر ضرب کاری لگاتا ہے۔
 اس کا نتیجہ مختلف الجھنوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ذہین بچے لکھتے
 پڑھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ استاد کی تنقید جتنی اخلاقی ہوگی اتنی ہی اس کا رد عمل
 زیادہ شدید ہوگا۔ اور بچے کی آنکھ وہ ذہانت پر برا اثر پڑے گا۔

یہیں سے ایک اور نکتہ پیدا ہوتا ہے۔ بچے کے لاشعور میں اپنے والدین کے متعلق ایک
 خاص اہمیت پیدا ہو جاتی ہے جب وہ سکول میں جاتا ہے تو وہی مقام استاد کو مل جاتا ہے۔ یہ تعلق
 محض سطحی نہیں ہوتا کہ استاد یا والدین کا رعب بچے پر مسلط رہتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر گہرا
 "شہوانی" (Erotic) تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا مظاہرہ عام ہوتا رہتا ہے لڑکیوں میں یہ زیادہ
 نمایاں ہوتا ہے ان "شہوانی" تعلقات کی نشوونما میں کئی دباؤ اور رد عمل مائل ہوتے ہیں اور کئی
 مثبت اور منفی رجحانات مل کر ان تعلقات کو پختہ کرتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان باتوں کو پیش نظر
 نہ رکھا جائے گا کوئی تعلیمی نظریہ مکمل نہیں کہلا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاگرد اور استاد کے تعلقات
 اس لحاظ سے استوار ہوں تو تعلیم موثر اور آسان ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ مضمون جو بچے کو پڑھایا جاتا ہے۔ اب تک تو یہی ہوتا آیا ہے کہ ایک بچہ باقی
 مضامین میں کافی ہوشیار ہے مگر ایک خاص مضمون میں کمزور ہے۔ اس کمزوری کو اس کی ذہانت کی
 کمی سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن تجزیہ نفس نے حقیقات سے معلوم کیا ہے کہ اکثر حالات میں اس کی کمزوری
 باعث جنسی قہم نہیں بلکہ کسی روک (Inhibition) اور ارتقا (Sublimation) کی تکلف کی
 نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر بچہ ریاضی میں کمزور ہے تو اس کے متعلق بچے کے لاشعوری خیالات ہوں گے
 جن کا رد عمل اسے ریاضی میں کمزور کر دیتا ہے۔ اس پر جب اور غور کریں تو بہت سی باتیں سامنے
 آتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر شعوری موضوع کسی لاشعوری تصور سے متعلق ہو جاتا ہے اور بعض

اوقات ان کے اشاریے (Symbols) بن جاتا ہے۔ ایسے بچوں کے تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے لئے حساب کے سوالات ہی صرف مشکل نہیں ہوتے بلکہ وہ محنت بھی بھول جاتے ہیں اور اُن کے لاشعور میں روک کا گہرا اثر تھا۔ حساب کے مضمون سے اُن کے ذہن میں سمجھنے کا تصور آتا ہے اور سمجھنے سے انگلی پر شمار کرنا اور انگلی..... یہ وہ اشاریہ (Symbols) ہے جس نے مضمون میں کمزوری کا حال بنادیا۔ اس سے ہی مطلق روک تھمی۔ اکثر ہوتا ہے کہ تجربے نفس کے دوران میں مریض نے جس مضمون میں اپنے تئیں کمزور سمجھا تھا جب اس سے لاشعوری دباؤ دور ہو گیا تو وہ نقص بھی ہاتی نہ رہا۔ یہ ایک نیا زاویہ نگاہ ہے جس کی مدد سے کسی مضمون میں بچوں کی غیر دلچسپی کا ذکر ہے اور ماہرین تعلیم اس روشنی میں حربہ تجربات کر سکتے ہیں۔

بچوں کی پرورش کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بچا اپنی نشوونما کے دوران میں لاشعوری طور پر ایسی گفتگو سے دوچار ہوتا رہتا ہے جو اس کے مستقبل کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں بحر میں تجربے نفس ایک نیا راستہ دکھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ ہر فرد کا کردار خواہ برا ہو یا بھلا پانچ برس کی عمر تک مکمل طور پر بن جاتا ہے۔ اس کے بعد کے اثرات صرف سلی ہوتے ہیں اُن سے زیادہ سے اتنا ہو جاتا ہے کہ بنیادی خصوصیات میں کہیں کہیں معمولی رد و بدل ہو جائے۔ ان پہلے پانچ برسوں میں بچے کو ایک ایسی ابھی ہوئی جذباتی نشوونما میں سے گزرنا پڑتا ہے جس کے حصول کے لئے انسانیت کو پچاس ہزار برس گزر گئے ہیں اور یہ ہے ابتدائی جنموں کو مہذب بنانا۔ اس لئے ہمیں بچے کی مشکلات کو سمجھنا اور محسوس کرنا چاہئے۔ مبر و تحمل سے کام لینا اور ان کی "خطاؤں" کو درگزر کرنا چاہئے۔ اُس کے جسم کے لئے خوراک کی ضرورت ہے اور ذہنی نشوونما کے لئے محبت کی۔ لیکن پرورش کے دوران میں بتدریج محبت کی جہلت کے بہت سے مظاہروں کو بچے سے چھڑانا بھی پڑتا ہے۔ اگر بچہ اسے برداشت کر لے تو اس کے اثرات اتنے خرد رساں نہیں ہوتے۔ اس زمانے میں والدین کو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اسی زمانے میں وہ اخلاق کے نیچے دب بھی جاتے ہیں اور شرائط سے دوسروں کا ناک میں دم بھی کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ شرائطیں تنصیر کے احساس (Guilt Feeling) کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

والدین عموماً خیال کرتے ہیں کہ انہیں بچوں کے سامنے اپنا نمونہ نہایت مکمل صورت میں پیش کرنا چاہئے۔ حالانکہ اُن کا ایسا کرنا بچوں کے لئے تو چنداں مفید نہیں ہوتا۔ ہاں والدین کی اپنی

”عزت نفس“ کا زیادہ احساس ہو جاتا ہے۔ اس سے بچے کو زندگی کی گہرائیوں کا کوئی علم نہیں ہونے پاتا اور آئندہ زندگی میں وہ خسارے میں رہتا ہے۔ جنس کے معاملے میں تو والدین بڑی ”بدویانہ“ سے کام لیتے ہیں۔ ایک تجزیہ کار خوب جانتا ہے کہ اس ”بدویانہ“ کا کتنا برا اثر جواس سال میں ہوتا ہے۔ بچے جنسی طور پر شعوری یا غیر شعوری ذرائع سے اس سے بہت کچھ زیادہ جانتے ہیں جتنا خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی تجزیہ نفس کی روشنی سے ہی زندگی کو نئی راہ مل سکتی ہے۔ کسی بات کا پورا علم اس بات کے بتانے سے نہیں بلکہ اس کے کرنے کی اجازت سے حاصل ہوتا ہے۔ بچہ اسی حالت میں کسی بات سے مستفید ہو سکتا ہے جب والدین کی رضا حاصل ہو ورنہ کسی بات کے کہہ دینے سے کام نہیں بنتا۔

بچے کے تجزیہ کے دوران میں ایک نئی دریافت یہ ہوئی کہ وحشی انسان اور بچے میں ایک مناسبت پائی جاتی ہے۔ جب تجزیہ نفس بچے اور وحشی انسان کی ذہنیت کے درمیان ایک مطابقت کا ذکر کرتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس طرح بچے کے سر بچے کو کم کیا جا رہا ہے۔ بلکہ تجزیہ نفس تو بچے کے ذہن کی زیادہ عزت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ عام خیال کے خلاف یہ ذہن جو ان ذہن سے زیادہ پیچیدہ اور اس سے کوئی زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ توہمات، بھرپور ایمان اور ایسے دوسرے خیالات جو وحشی انسانوں میں پائے جاتے ہیں ان کے پس پردہ استدلال (Reason) سے زیادہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی طرح تجزیہ نفس کی تحقیقات بتاتی ہے کہ بچوں کے خیالات میں بھی جذبہ ہوتا ہے وہاں بھی استدلال کا فقدان نظر آتا ہے۔

انسانیات (Anthropology) کا مطالعہ تجزیہ نفس کی تحقیقات کی روشنی میں کرنے سے ہمارے سامنے نئی نئی باتیں آتی ہیں۔ ایک طرف جب لاشعور کو زیادہ کر دیا گیا تو اس سے انسانیت کے بہت سے اچھے ہوئے مسائل حل ہوتے نظر آنے لگے۔ عورات کا خوف، ماں کا حق، (Couvade) طہ متہو (Tabu) پیدائش کے وقت کے رسومات تو ہم پرستی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جنہیں وحشی اقوام میں بدایع ہے کہ جب ان کے ہاں بچے کی پیدائش کا وقت آتا ہے تو مرد رستہ میں لیٹ جاتا ہے۔ اس رسم کا نام Couvade ہے۔

جنس فیملیوں میں بعض اشیاء یا انسانوں کو اس لئے نہیں چھو دیا تاکہ اس سے کسی مذہبی حکم یا حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ ایسی اشیاء یا انسان ”متہو“ کہلاتے ہیں۔ لہذا انہوں نے ”متہو اور توہم“ کے نام سے ایک تحقیقاتی کتاب لکھی ہے۔

تھیں جن کا سمجھنا مشکل تھا۔ لیکن لاشعور کے علم سے یہ آسان ہو گئیں۔ دوسری طرف انسانیات کی حقیقتات میں جو مواد یکجہاں پہنچا اس سے تجزیہ نفس کے نظریات کو وسعت میسر آئی۔ ہمارے ہاں کے بہت سے ادارے، درسومات، سماجی رواج اور معتقدات کی اصل حقیقت اس قدر ہے کہ وہ لاشعور کی کھف کا نتیجہ ہیں۔ یہ کھف بالکل ویسی ہی ہے جیسی بچوں میں پائی جاتی ہے اور جس سے نورداتی مرض پیدا ہوتا ہے۔ جس کا علاج تجزیہ نفس کا بنیادی کام ہے۔

فرائڈ نے نورداتی مریض اور وحشی انسان کے واسطہ کو حتمی حقیقت دی ہے۔ اس پر اس کے دوسرے پیروؤں نے کافی کام کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام وحشی انسان نورداتی مریضوں سے ملتے جلتے ہیں۔ کیونکہ دونوں ہی جنسوں کی ابتدائی صورتوں کے قریب ہوتے ہیں اور اصول لذت کے تابع ہو کر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ بچہ اور دوختی سے نفرت اور خامست قریب ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کے رجحان میں بچہ اور نفرت دونوں موجود ہوتے ہیں۔ یہ دونوں رجحان خوف اور اس احساسِ تنہی پر جو انسان کی کھف میں ہے قابو نہیں پا سکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وحشی انسان اور نورداتی مریض اخلاقی کام بہت خیال رکھتے ہیں گو ان کا طریق عمل غیر معقول ہوتا ہے۔ اس سے ایک اور بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وحشی انسانوں کی نورداتی زندگی مہذب انسانوں سے زیادہ باقاعدہ اور سماجی قوانین کے تابع ہوتی ہے۔ کیونکہ وحشی انسان لاشعور کی کھف پر قابو پانے کی زیادہ کوشش کرتا ہے اس سے کسی نورداتی طامست کا اظہار ہو جائے تو اسے سماجی زندگی میں مداخلت خیال کیا جاتا ہے۔

اسی سے ہمیں تہذیب کی نشوونما کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اب بھی جو وحشی انسان موجود ہیں ان کا اور ان کے ساتھ ہی بچوں اور نورداتی مریضوں کا مطالعہ ہمیں کئی ایسی باتوں کی نشان دہی کرتا ہے جن سے انسانیت اپنے ابتدائی دور میں کسی نہ کسی حالت میں سے ضرور گزری ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی نشوونما کے دوران میں ابتدائی زمانے کے ارتقائی حالتوں کا شائبہ اب بھی موجود ہے اسی طرح لاشعور کی بعض حالتیں بھی انسانیت کے وحشی نشوونما کے گزشتہ تجربات کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس سے آدمی کے ماضی کے متعلق بہت سے نتائج مرتب کئے گئے ہیں۔

ایڈی ہس اُبھمن کی دریافت انسانیات کے نظریات میں ایک اضافہ ہے۔ وحشی انسانوں میں محرکات سے دوری مروجہ خوری اور باپ کا قتل اسی اُبھمن کا نتیجہ ہیں۔ "قبیلے کے بزرگ" اور

”نوجوان“ مردوں کے درمیان ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے اور یہ جنگ سماجی اور مہذب زندگی کی بنیادوں کے استوار کرنے میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہیں سے قانون اخلاقی اور بعض مذہب پیدا ہوتے ہیں۔

سماجی اداروں اور قانون سازی کا تعلق کسی حد تک مادی رفقاء عام، اقتصادیات اور حفظان صحت وغیرہ سے ہوتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ تعلق وقار، عزت، حب الوطنی، جماعتی اور جنسی تکلف حکومت کے نظریات انصاف کے تصورات اخلاقی چلن کے ضابطے ایسی آدش قدروں سے ہوتا ہے۔ یہاں بھی تجزیہ نفس ایک نئی راہ دکھاتا ہے اور ان لاشعوری کو اچا کرنا ہے جو فرد اور سماج کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں سماجی اور مذہبی ادارے اس لئے معرض وجود میں آئے ہیں کہ ان کے ذریعے ابتدائی جنسی رجحانات پر قابو رکھا جاسکے اور یہ کیوں ہے؟ کیا ہے؟ اور اس کے نتائج؟ اس کا علم تجزیہ نفس دیتا ہے۔

اقتصادیات میں روپے پیسے کا سوال آتا ہے۔ جسے عموماً لوگ آزادی سے سوچ سکتے ہیں نہ اس بارے میں روپیہ اختیار کرتے ہیں۔ تجزیہ نفس نے جب اس روپے کی چھان بین کی تو حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ لاشعور میں روپے پیسے کا اشاریہ ”گندگی“ ہوتا ہے۔ عام خیال بھی موجود ہے کہ خواب میں پاخانہ دیکھنا دولت ملنے کی بشارت ہوتی ہے۔ روپے پیسے کی ہاتھ کا میل کہا جاتا ہے اور یہ لاشعوری اثر کا نتیجہ ہے کہ امیر لوگ خسیس ہوتے ہیں۔

اب ذرا حکومت کو لیجئے۔ راجی اور رعایا کے تعلقات اور ان کی پیچیدگیاں کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ حکومت کے خلاف ہر ملک میں ہنگامہ چاہتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہے۔ تجزیہ نفس کے خیال کے مطابق یہ ہنگامہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا باپ اور بیٹے کے درمیان تکلف کی صورت اختیار کئے رہتا ہے۔ بادشاہ اور ملکہ کو لوگ باپ اور ماں سمجھتے ہیں۔ لاشعوری طور پر رعایا انہیں اپنے والدین سے نسبت دے لیتی ہے۔ روزمرہ بول چال میں حاکم کو ”مائی باپ“ کہا جاتا ہے۔ پریوں کی کہانیوں میں بھی اپنے ماں باپ بادشاہ اور ملکہ کی صورت میں موجود ہوتے ہیں، قائد اعظم کو پاکستان کا باپ کہا جاتا ہے۔ انا ترک کا لقب بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ مہاتما گاندھی ہندوستان کے ”بابا“ ہیں۔ یہ ساری شہادتیں بتاتی ہیں کہ بادشاہ یا حکومت کا صدر ہمیشہ باپ کا مقام ہوتا ہے اور ملکہ ماں کی۔ وزیر اعظم بہت کم مقبول ہوتے ہیں۔ لوگ ہمیشہ بادشاہ یا صدر

سے محبت کرتے ہیں اور دوزیرِ اعظم کے خلاف ہر جہز بے کا اعتبار کر لیا جاتا ہے اور بادشاہ یا صدر کو مدد کے لئے پکارا جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بچا اپنے باپ کو "قارہ مطلق" خیال کرتا ہے اور چونکہ بادشاہ یا صدر باپ کا اشاریہ ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

سامی مسائل کا بہت زیادہ انحصار الجھن جنس کی جبلت پر ہے اور یہ صرف تجزیہ نفس کی تحریک ہے جو اس جبلت کی الجھنوں کو دور کر سکتی ہے اس لئے یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ تجزیہ نفس کے ذریعے شادی، طلاق، مضبوطی، عورت مرد کے باہمی تعلقات ایسے سامی مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ خاندان کو سماج کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود آج کے سماج میں خاندان کے خلاف نوجوان بغاوت کر رہے ہیں۔ کیوں؟ اس کا صحیح جواب عمرانیات بھی شاید ہی دے سکے۔ مگر تجزیہ نفس کا جواب موجود ہے وہی باپ بیٹے کی کشش کا حل جس کے بغیر سماج کا سارا امن اور نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ قانون اسے جرم قرار دے کر مجرم کو سزا دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے علاج ہو گیا لیکن حقائق اس کے خلاف ہیں۔ جرم روز افزوں ترقی کرتا جا رہا ہے۔ قانون کی سخت گیری نا کارہ ثابت ہو چکی ہے۔

اب نئی روشنی میں فرد کی جھٹوں، جنسی دباؤ، اعصابی تناؤ اور ذہنی الجھنوں کا تجزیہ جرم کو ایک نئے روپ میں پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ علاج قید و بند میں نہیں بلکہ ماہر نفسیات کے ٹیکنک میں ہے۔

جب مجرم کو ایک مریض سمجھ کر اس علاج کا کیا جائے تو اس سے سماج کی بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور ہم ایک ایسے سماج کی تشکیل کر سکتے ہیں جو صحت مند ہونے کے علاوہ ہر سکون بھی ہوگا۔ اس کا تجربہ بعض ممالک میں کیا جا رہا ہے۔ ٹھکان اور ماہرین نفسیات مل کر مجرموں کا علاج کرتے ہیں اور نتائج امید افزا ہوئے ہیں۔

تجزیہ نفس نے انسانی فطرت کی گہرائیوں کے مشاہدے سے جو حقائق پیش کئے ہیں ان میں سب سے اہم جنسی جذبہ کی نشوونما کا نظریہ ہے۔ اس نظریے کی روشنی میں جب ہم ادب اور آرٹ کو دیکھتے ہیں تو ان کی ساری قدریں بدل جاتی ہیں۔ یہاں ہم سارے ادب پر تو نظر نہیں دوڑا سکتے۔ صرف شاعری کے دو ایک پہلوؤں کا تجزیہ نفس کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔

جنسی جذبہ اپنی طبیعت حالت تک پہنچنے سے خوشتر ذہنی (Oral) بہرہ زنی (Anal) اور مہانی

(Sadistic) منازل میں سے گزرتا ہے جو بہت عجیبہ ہوتی ہیں۔ ان میں سے ذہنی منزل بہت اہم ہے اور شاعری سے اسی کا زیادہ تعلق ہے۔ "ماں کا پستان بچے کی" بھوک ہی نہیں مٹاتا بلکہ اس سے بچے کو ایک خاص حظ بھی حاصل ہوتا ہے جس کا تعلق منہ سے ہے۔ یہ لالہ حلقہ بچے پر اتنا گہرا اثر چھوڑ جاتا ہے کہ وہ ماں کے پستان کے بدل کے طور پر انگوٹھا چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ انگوٹھا چوسنے سے اس کی بھوک کی تسکین نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کے منہ کے اندورنی حصے کو تحریک میں لا کر حظ کا باعث بنتا ہے۔ یہ حظ بچے کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے اور اس میں کسی خارجی ترقیب کو دخل نہیں ہوتا۔

جب جنسی جذبے کا ارتقاء ذہنی منزل پر رک جائے تو اس کا اثر زیادہ کھانے میں ظاہر ہوتا ہے۔ سگریٹ چنا، پنسل سرے چہاں پھلور چیزوں کو چوسنا اسی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ جنسی جذبے کے کے رکاز کا اثر ہے اور انگوٹھا چوسنے کا بدل۔ پان، تھپا کوہ جائے یہ سب اسی ذیل میں آتے ہیں۔ اس سے ذرا آگے سے نوشی آتی ہے۔ یہ بھی ذہنی حظ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے شاعر یا تو شراب پیتے ہیں یا اپنی شاعری میں اسی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ ریاض خیر آبادی نے مرہر شراب کو چھوا تک نہیں لیکن ان کے کلام میں شراب کا اتنا ذکر ہے کہ بہت کم اشعار اس کے ذکر سے خالی ہوں گے۔ غالب، جوش اور اختر شیرانی کا کلام لیجئے تو اس میں شراب سے حظ کا ذکر ظاہر طور پر موجود ہے۔

الفاظ سے بھی ذہنی حظ کا کام لیا جاتا ہے ایسا آدمی جس کا جنسی جذبہ اس منزل پر رک گیا ہو اپنی گفتار میں فیروں کے خلاف چہچتے ہوئے جملے استعمال کرتے کا عادی ہوتا ہے وہ ایسے الفاظ بولتا ہے کہ جن سے کانٹے دگڑنے یا چہچتے کے معنی پیدا ہوں۔ اردو میں جوش طبع آبادی کی بھی خصوصیات ہیں۔ وہ اپنے مخالف کو نہایت حیز طعنوں کا نشانہ بناتا ہے۔ اس کی نغموں میں ایسے الفاظ کی کثرت ہوتی ہے جن سے کانٹے یا چہچتے کا فعل ظاہر ہوتا ہے۔

ایک نظم "بلوغ حیات" کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

دوستی سے دشمنی کا جب پہچنتا تھا حیا م
ہونگے گنا تھا میرے دل میں شیر انعام

راگنی کو بوجھنے لگتا تھا جب بھتی تھی تانت
 مٹیدوں کو ہنڈ کر کے پیٹنے لگتا تھا دانت
 دیکھتا تھا آدمیت کو دانت کا ٹکڑا
 اٹھنے لگتی تھیں گردن کی رکیں بے اعتبار
 دل یہ کہتا تھا کہ ہر چنے میں ٹھنڈ بھونک دوں
 غلطی کو بھڑکے ہوئے دوزخ کے اندر بھونک دوں
 زندگی کی سوچ میں زہر ہلائی گھول دوں
 جی میں آتا تھا کہ توپوں کے دہانے کھول دوں
 دغ کروں، قتل کر ڈالوں، سروں کو پھوڑ دوں
 ہمتوں کو پست کروں، گردنوں کو توڑ دوں
 خون کی پیاسی زمیں کو آدھی کا خون دوں
 خاک کر ڈالوں بھسم کروں جلا دوں بھون دوں
 قہر بن کر میں جواب دہی اٹھیں دوں
 دفن کروں، سرمہ کر ڈالوں، رگڑ دوں، پیس دوں

اس نظم میں آپ کو ذہنی خطہ کا انفرادی پہلو ملتا ہے۔ اس ضمن میں مرزا سودا کی بھولا اور موسیٰ کی
 طر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

ماہرین تجزیہ نفس کے نزدیک لکنت کے ذریعے اپنے منہ کے اندرونی حصہ کو تحریک میں لا کر
 ایک خاص لاشعوری خطہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لئے لکنت کا تعلق بھی جنسی جذبے کے ذہنی منزل
 پر رک جانے سے ہے۔ اردو کے بے شماروں میں جعفری نے ایک آدھ ایسی نظم لکھی ہے جو بظاہر
 لکنت زبانی کی نقل ہے لیکن دراصل اس نے خود خطہ حاصل کیا ہے۔

تآ آئی ایک مشہور نظم ایک لکنت زبان لا کے اور بوڑھے کا نکال رہے۔

یہ کے لال گاہ پہ طفلِ اکبر
 ی شنیدم کہ بدیں نوع اہی رائے خن

کائے زلزلت صم صم صم
دے زچرت صم صم صم
یہ گفتار دو اللہ م م م
لگوادم سن بے چارہ زارہ لکن

الفاظ کے تکرار سے شاعر نے وہی لذت حاصل کی ہے جو انگوٹھا یا منڈائی چوسنے سے ہوتی ہے۔

شاعری کے مختلف پہلو ہیں جن پر بڑی تفصیل سے لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں صرف ہم ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلائیں گے اور وہ اردو شاعری میں "ماں" ہے۔ اپنی ہی پس اُلجھن کی روشنی میں یہ پہلو بہت دلچسپ ہو جاتا ہے۔ آخر کیا بات ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔ "والدہ مرحومہ" کا مرثیہ لکھا جاتا ہے۔ کتابوں کا احتساب باپ کی نسبت سے "ماں کے نام" زیادہ کیا جاتا ہے۔ ماں سے اس قدر محبت اپنی ہی پس نظر نے کا ثبوت ہی تو ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ "ہم ایک شخص سے بیک وقت محبت بھی کر سکتے ہیں اور نفرت بھی۔ ہماری شعوری محبت غیر شعوری نفرت کا نتیجہ ہو سکتی ہے اور اس کے برعکس ہماری انتہائی نفرت کسی غیر شعوری محبت کا مظہر بن سکتی ہے۔" اسی حقیقت کی روشنی میں ماں کا کردار اردو شاعری میں نظر آتا ہے۔ وہ کہیں ایک عام عورت ہے اور کہیں "مادر وطن" بن کر پرستش کراتی ہے۔ اس کی بہترین مثال یوسف ظفر کی نظم "ٹیکور" ہے۔ اس نظم میں شاعر اپنی ذات "ٹیکور" میں مدغم کر دیتا ہے اور وہ بچہ ہے۔ دوسرے سارے شاعر اور ادیب اس کے بھائی ہیں "مادر ہند" ماں ہے اور "غیر" باپ۔ یوں باپ پٹا اور ماں کی اذلی حیثیت مکمل ہو جاتی ہے۔

تجھے ماں کہتے ہوئے عار مجھے آتی ہے
مادر ہند میں اب اور نہیں سن سکتا
جلا کہ اظہار سے وابستہ ہے دامن تیرا
ہوئے غیر آتی ہے اب تیرے پسینے سے مجھے
کیا نہیں سات سندھ میں بھی اتنا پانی
کہ تجھے صنو ہستی ہی سے ناپید کرے

تھ کو آغوش میں تا حشر چھپائے رکھے؟
 کیا حال کے دل سرد میں غیرت ہی نہیں
 کہ ترے ہنس بھرے چنے سے اگل دے لاوا
 اور مٹ جائے ترا نام ہمیشہ کے لئے؟
 تو نہیں ہے، تیری عصمت، تری غیرت کیا ہے؟
 تجھ کو اپنوں کے تو آنسو ہی پسند آتے ہیں
 اور طیر کے شرابے بھی ستارے ہیں تجھے
 دیکھتے ہی جیسے کھل جاتی ہیں باجیس تیری
 کون سی بات ہے اس میں جو نہیں ہے ہم میں؟
 اس کی ماں نے بھی کوئی ایسا جنا ہے نیگور
 ایسا غائب جو پرستش کرے ماں کی؟
 زندگی کا وہ فلک سیر دوشدہ شہاب
 جس سے دوچار نہ ہو سکتی ہوں آنکھیں اپنی؟
 تیرے سوتیلوں میں ہوتا اگر ایسا انسان
 جاسے کیا اُسے سرخاب کا پر لگ جاتا

(2)

سات اگست ---- وہ بنگال کا ساحر شاعر *
 میں اگست ---- وہ روحوں کو جسانے والا * *
 سات دن کے بعد ---- جہاں بھر کو دلانے والا ***
 ایک -- دو -- تین! تیری بھوک نہیں مٹ سکتی
 ٹو تو ڈائن ہے۔ ترے دانت۔ بھیاک آنکھیں
 آف! تری بھوک۔ تری بھوک نہیں مٹ سکتی

(3)

مجھ پہ ناراض نہ ہو ماں! میں ترا چٹا ہوں
 بھول تھی میری کہ میں نے تجھے اتنا کوسا
 اور افسوس! مجھے اتنی کبھ بھی تو نہ تھی
 حیرے ہی بیٹے تھے، تو نے ہی جتا تھا اُن کو
 تیری ہی آنکھ کے تارے تھے، جگر پارے تھے
 دیکھا وہ تارے ترے ہا کے لک پر چپکے
 جھجج اٹھا لک اُن کی ضیا باری سے
 وقت کی بات تھی، وقت آیا۔ وہ ردپوش ہوئے
 ماں! ترے بچوں نے دلیا میں بڑا نام کیا
 بھی ایک صفت 'دائم' و 'قائم' ہے تری
 مونک دلتے رہیں اغیار ترے سینے پر
 حیرتی عصمت تری ناسوس پر ملے ہوں، مگر
 کوکھ سے حیرتی جنم لیتے ہیں ایسے بچے
 جن کے ہمسایوں کو بھی موت نہیں چھو سکتی

پہلے دو بندوں میں باپ سے رفاقت کا اکتھار ہوتا ہے۔ بچے کو ماں پر فہر آ رہا ہے، وہ
 کہہ نہیں کر سکتا۔ وہ ماں کا دامن اغیار سے وابستہ رکھتا ہے اور اُسے ماں کے پیسنے سے بڑے
 غیر آتی ہے۔ وہ بلبلا اُٹھتا ہے اور پکارتا ہے۔ "تو نہیں ہے حیرتی عصمت حیرت کیا
 ہے؟"

یہاں سے وہ چٹا کھاتا ہے اس کا ضمیر (Super-Ego) اسے طاعت کرتا ہے اور اُسے
 "احساس گناہ" ہوتا ہے۔ اخلاقی معیار، عمرانی تصورات اس پر غالب آ کر اسے اقرار گناہ کرنے
 پر مجبور کرتے ہیں اور ماں کو مٹاتا ہے۔ اپنی بھول کا واسطہ دے کر اپنے تئیں چٹا کہتا ہے۔

اختر شیرانی کی مشہور نظم "ایک شاعرہ کی شادی پر" عورت کی دو حیثیتوں کو اجاگر کرتی
 ہے۔ وہی عورت جو بھی ایک مثالی عورت یعنی ماں کا درجہ رکھتی تھی شاعری نظروں سے گر جاتی

ہے تو وہ ایک بازاری عورت بلکہ اس سے بھی ذلیل تر ہو جاتی ہے۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے۔ اس کا جواب تجزیہ نفس کی روشنی میں یہی دیا جائے گا کہ شاعر کا رویہ ایک لاڈلے بچے کا سا ہے جو اپنی ماں کی محبت میں کسی اور کی شمولیت برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ حد درجہ حاسد اور بدظن ہے۔۔۔۔۔ کسی عورت کے یہ قول کہ ”آدمیوں کا بس چلے تو وہ اپنی ماؤں کو دو شیزہ ہی رکھیں“ کتنا صحیح ہے۔

ان پہلوؤں کے علاوہ اور بھی دلچسپ پہلو ہیں جن کا مطالعہ فرصت چاہتا ہے، اس پر علیحدہ ایک کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

ادب کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے ہمیں دیکھنا، پرچوں اور لوک کہانیوں ایک ذخیرہ ملتا ہے۔ اب تک انہیں بے سرو پا باتیں جان کر قابل اہتمام نہیں سمجھا جاتا رہا۔ لیکن اب یہ سارا ذخیرہ بہت قیمتی اور اہم ہے۔ اسی سے ہم انسانیات کے مختلف پہلوؤں کو جان سکتے اور ہر زمانے کے ذہن کو پڑھ سکتے ہیں۔ وہ ساری باتیں جو مجیر المصنوع کہلاتی تھیں اب لاشعور کو سمجھ لینے کے بعد عام باتیں رہ جاتی ہیں۔ بہت سے اشارے ہیں جن کا فرد کی زندگی میں سمجھنا محال تھا، دیکھنا اور لوک کہانیوں کے ذریعے آسان ہو گیا ہے۔

دیکھنا، پرچوں اور لوک کہانیاں کیا ہیں؟ انسانی تخیل کی پیداوار، اور انسانی تخیل کو سمجھنا تجزیہ نفس کا کام ہے۔ یہ تخیل اس کے سوا اور کچھ نہیں انسانیت کے ابتدائی دور کی تمناؤں اور خوف کا بھرپور ہے۔ یہ بھرپور بالکل ویسا ہی ہے جیسا خوابوں میں ہوتا ہے اور انسانی قومیں جو زندگی کے صحیح کاموں اور مقاصد میں غفلت نہ ہو سکیں وہ دیکھنا کے ذریعے اپنی آسودگی پانے لگیں اور پرچوں کی کہانیاں تو تمناؤں کی آسودگی کی سب سے زیادہ روشن صورت ہے۔

بہت سے مذاہب نے پرانی روایات اور دیکھناؤں سے اپنے عقائدات لئے ہیں اور انہیں پر زندگی اور بلند اخلاقیاتی قدروں کے حصول کو استوار کیا ہے۔ مصر، یونان اور ہند کے مذاہب میں ان دیکھناؤں کو بہت زیادہ دخل ہے۔ ان کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں کئی کئی حقیقت مایاں ہے۔ دیکھناؤں کے خاندانی جھگڑے بالکل ہماری طرح ہوتے تھے۔ آج بھی دیکھنا کے کردار اپ حقیقی انسانوں میں غفلت ہو چکے ہیں۔ وہی تمناؤں اور نا آسودہ خواہشات جو دیکھنا میں موجود تھیں۔ ان میں پائی جاتی ہیں۔ ان کہانیوں کا تجزیہ جتنا ہے کہ ان میں مہرمت اور

آنٹلی کا خوف، قتل اور خاندان سے متعلق جنسیت ہوتی ہے۔ دیو بلاؤں میں جنہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ فرد کے خاندان کے افراد کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

مذہب لوگوں میں اب بھی بہت پرانے توہمات پائے جاتے ہیں۔ ٹسک کا گراؤ پٹا یا سیزمی کے پچے سے گزرتا منہوس خیال کیا جاتا ہے۔ جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان باتوں میں ضرور کوئی ایسی بات ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے ذہن میں اس کام (ٹسک کا گراؤ) اور اس کے منہوس اثر کے متعلق کوئی لاشعوری تصور ہے اور یہ لاشعوری تصور مختلف لوگوں کے نزدیک ایک ہی ہوتا ہے۔ دراصل یہ تصور ایک اشارہ ہے جو جس کے جان لینے سے توہمات کی حقیقت کو پایا جاسکتا ہے۔ بعض باتوں کو ہم خوش بختی سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض کو نحوست سے اور کئی بار ایک ہی بات ایک کے لئے نحوست ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے خوش بختی۔ صرف وقت اور مقام کا فرق ہوتا ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ لاشعوری فعل جسے شعوری فعل سے متعلق کیا جاتا ہے وہ درحقیقت کوئی ممنوع لذت ہوتی ہے اور نحوست لاشعوری طور پر اس لذت کے حاصل کرنے کی کوشش کی سزا اسی طرح خوش بختی اس لذت کا حصول ہے جو بلا سزا کے میسر آ جاتی ہے۔ نحوست کو دور کرنے کا "آپائے" بھی تجویز کیا جاتا ہے۔ مثلاً صندوق کی ٹکڑی کو چھوٹا تیل دان کرنا وغیرہ۔ لوگ بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے ان کے گلے میں "نقرہ بڑا" باندھ دیتے ہیں۔ یہ آپائے خود ایک اشارہ ہی ہوتا ہے۔

توہمات میں احساس گناہ، سزا کا خوف، نا آسودہ خواہشات ہی ہوتی ہیں اور ان سب کا تعلق لاشعور ہے۔ جب توہمات کو زیادہ کر دیا جائے تو ان کی تہ میں لاشعور ہی کا ردِ فرمانظر آئے گا۔ توہم پرستی سے بعض مذہبی عقائد کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔

مذہب کی تاریخ میں سحر (جادو) کا عنصر بھی کافی ملتا ہے۔ اس زمانے میں بھی کئی مذہبی رسومات اسی سحر کی یادگار ہیں۔ مذہبی عقائد کی ابتدا تو وقت کے دھندلکے میں گم ہو گئی ہے اب جو کچھ پتہ چلا ہے وہ وحشی اقوام، صمیتات، اساطیر اور بشریات کے سواو سے ملے۔ انسانی محرکات وہ اچھے ہوں یا برے ان کا تعلق بیرونی واردات سے رہا ہے چنانچہ طوفان، ہوائیں، سمندر کے مد و جزر بادش، بجلی، مگر ج وغیرہم مذہبی معتقدات پر اثر انداز نظر آتے ہیں۔ ان کی

ردک تھام کے لئے سحر کا عمل پیدا ہوا۔ جنادات میں روح پر یقین رکھنے والے لوگوں نے پہاڑ، زمین، سمندر، ہواؤں وغیرہ کو ساری انسانی صفات سے سرفراز کر دیا۔ ان کا یہ فانی عمل تکلیل (Projection) تھا۔ اسی سے خیالات اور مقاصد لا شعور سے ابھرے اور یہ رو جس دیوی دیوتا بن گئیں۔ یہ کبھی فائدہ بخش ہوتے اور کبھی ضرر دہاں ... جہاں تک فائدہ بخشی کا تعلق ہے اس کی توفیق یوں کی جائے گی کہ یہ عقیدہ دراصل اسی حفاظت اور توجہ کی طلب ہے جو شفیق ماں باپ سے میسر آتی ہیں۔ یہ کون پسند کرتا ہے کہ اس پر سخت گیری کی جائے اور اخلاقی قیود میں جکڑ دیا جائے۔

اسی عقیدے کے پہلو پہ پہلو ہم ایک اور عقیدہ پاتے ہیں جو اپنے اندر کافی وسعت رکھتا ہے یہ مقامات کے ساتھ تعلق کا عقیدہ ہے جس سے بعض جگہیں مقامات اور علاقے متبرک اور مقدس بن جاتے ہیں۔ ان کی طرف رجوع کرنے کی تمنا کا اعکاس بڑی شدت سے کیا جاتا ہے۔ یہ دم مادر میں واپس جانے کی خواہش ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان مقامات یا جگہوں کی طرف رجوع کیا جائے جو متعلق ہیں یا ان کو آسانوں میں بتایا جاتا ہے۔ جہاں معتقدین کے آباؤ اجداد بستے ہیں۔ جن سے مختلف قومیں موسوم ہیں اور ان پر ان کا اختیار خیال کیا جاتا ہے۔ تو تم پرستی (Totemism) قدیم مذاہب میں سے ہے۔ جس میں ایک خاص قبیلے کے لوگ اپنے آباؤ اجداد کو کسی مخصوص جانور سے مناسبت دے لیتے ہیں اور پھر اس جانور کی طرف ان کا خاص رویہ ہو جاتا ہے وہ اسے حرام سمجھتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ایک طرف ایسے جانور کو ہاتھ لگانا گناہ ہوتا ہے اور دوسری طرف خاص خاص مذہبی تقاضے کے موافق ان جانوروں کو ذبح کر کے انہیں اُسی کنبے کے لوگ کھاتے ہیں۔

دیوی دیوتا کی پرستش کا عقیدہ بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے اور اس کا تعلق ہمیشہ سے حیات جانواداں اور اس پر ایمان لانے سے رہا ہے۔ قدیم زمانے کا انسان لاکھوں برس پہلے یہ عقیدہ رکھتا تھا۔ قبر میں دفن ہوتے وقت جو رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ ان سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابدی زندگی کے نظریے کی ہم گیری سے تاسخ اور حیات بعد الممات کے نظریات نے جنم لیا۔ یہ دوبارہ پیدائش کیا ہے؟ مردہ انسان کا پھر مختلف خلاؤں میں لوٹنا جو رحم مادر کے اشارات

(Symbols) ہیں۔ اس سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ دیوی ماتا کی پوجا کیوں کی جاتی ہے۔ حیات ابدی کی نفسی تحلیل ہمیں بتاتی ہے کہ یہ خواہش دراصل موت سے دہشت ہے جس کا انحصار اس خوف پر ہوتا ہے جو جنس کی نا آسودگی سے پیدا ہوتا اور آنکلی (Castration) کا خوف کہلاتا ہے۔ تحلیل نفسی کی تحقیقات سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ یہ آنکلی کا خوف لامشعور سے متعلق ہو جاتا ہے اور موت کے خیال کے علاوہ یہ پیداہش سے بھی متعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ دوبارہ پیداہش کا تصور موت کے خوف کا ایک مکمل بدل ہے۔ آخروی نجات، موت کے بعد زندگی ایک ابدی حیات یہ سب تخلیقات اعلیٰ مذاہب میں موجود ہیں جنت میں نیکیوں کو اطمینان اور عاقبت میسر آنے کا تصور اس سارے نظریے میں سب سے اہم ہے۔ وہاں سکون ہوگا فحشیتیں ہوں گی اور نیک بندے ہر دھرد سے محفوظ رہیں گے۔ یہ عاقبت اور مسرت پانے کا ایک ہی ذریعہ ہے وہ ہے محبت، انسان کی محبت جس کے جواب میں آسمانی باپ بھی اپنے ”بیٹوں“ سے محبت کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔۔۔۔۔ آسمانی باپ بھی ایک ہوتا ہے اور بھی کئی دیتا!

خدا کو باپ کہنا نفسیاتی حقیقت ہے۔ کوئی نکاح و ہر یہ ہو یا خدا کا پرستار ان دونوں کے عقائد کی و میں بچپن کا وہ تعلق کارفرما نظر آتا ہے جو انہیں اپنے زمینی باپ سے تھا بچپن کی نشوونما کے دوران میں چند مقامات ایسے آتے ہیں۔ جب بچہ اپنے باپ کو ”کاؤر مطلق“ ”ہمدان“ اور اخلاق کا مکمل نمونہ سمجھتا ہے۔ پھر جوں جوں اُسے اپنے باپ میں کیاں نظر آتی ہیں اور بعض ایسے دباؤ رونما ہوتے ہیں جو باپ کے تصور سے تعلق رکھتے ہیں تو اس کا یقین باپ کی برتری سے ہٹ کر ایک اور ان دیکھی ذات پر مرکوز ہونے لگتا ہے۔ جس میں ساری صفات موجود ہیں۔ لیکن سے خدا کے باپ ہونے کا تصور پیدا ہوا ہے۔

جب ہم تاریخی شہادت کی روشنی میں اس تصور کا زیادہ پیش جانیزہ لیتے ہیں تو خدا اور باپ کی مناسبت کی اور بھی تصدیق ہوتی ہے۔ مذہب کی زبان میں بھی یہ نسبت موجود ہے۔ اُس کے ارضی تائیدین کو بھی یہی نسبت دی جاتی ہے۔ انگریزی میں باپ (Papa) ہے۔ مذہبی راہنماؤں کے نام اسی سے پاپ (Pope) اور پادری (Padri) (پدر سے) بنتے ہیں۔ یہ فہرست تلاش سے اور طویل ہو سکتی ہے۔

زمانے اور حالات کے مطابق جس طرح باپ کا رویہ اولاد سے ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اس زمانے میں خدا کو بھی انہیں صفات کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ بعض مذاہب میں (اس کی ایک مثال کنفیوئشس کا مذہب ہے) اپنے بزرگوں کی پرستش اور الوہیت (Diety) کی پوجا ایک دوسرے کا بدل ہیں۔ بعض مشرقی ممالک اور ہندوستان میں لنگ (Phallus) کی پوجا کی جاتی ہے۔ تحلیل نفسی اس پوجا کی وجہ سے بچے کے ابتدائی ایام کے تجربات بتاتی ہے جب وہ لاشعوری طور پر احترام، عزت، خوف اور تحسین کے سارے محسوسات باپ سے وابستہ کرتا ہے۔ بعض صورتوں میں لنگ کا اشارہ یہ سانپ اور ایستارہ پتھر ہیں۔

اعلیٰ مذاہب میں الوہیت (Diety) کے تصور سے محبت، صحت، انصاف اور ایسی دیگر صفات وابستہ ہیں اور ان صفات سے اسے مزین کرنے کے لئے کافی تکلف کا سراغ ملتا ہے۔ عبرانیوں میں یہود وہ کی صفات کا مطالعہ کیجئے۔ اس کی ذات سے بہت سی باتیں متعلق نظر آئیں گی۔ یونانی گناہ کے معاملے میں بہت آزاد نظر آتے ہیں۔ انہوں نے بہت سے جرائم دیوتاؤں سے منسوب کرنے کے باوجود انہیں اپنے مرتبے پر رہنے دیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اگرچہ گناہ کے بارے میں یونانیوں کی طرح ہی محسوس کیا مگر ان سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ وہ اسے یہود وہ یا آسمانی باپ کے سر تعویذ دیں، اس لئے انہوں نے خدا کا ایک جزو ایسا کر کے اسے شیطان کا نام دے دیا اور ساری برائیاں اس کی ذات سے منسوب ہونے لگیں۔ اس کے بعد سے خدا اور شیطان کی طاقتوں میں ایک مسلسل تکلف نظر آتی ہے۔

تکلف کا عقیدہ بہت سے مذاہب میں ملتا ہے باپ، ماں اور چٹائل گر خدا کا مقام پاتے ہیں۔ اس کی کافی شہادت موجود ہے کہ تکلف کے معقولات اور روایات کا انحصار اس لاشعوری تکلف پر ہے جو ہر گھرانے میں پائی جاتی ہے۔ عیسائیت نے تکلف میں ماں کی جگہ روح القدس کو دے دی ہے۔ تکلف کے عقیدے کی تہ میں گناہ کا نظریہ کارفرما ہے۔ ایک خاص معیار تک پہنچنے میں ہر انسان قصور وار ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا اساسی اعتقاد ہے جس کے بغیر تکلف کا مذہب بے معنی ہو جاتا ہے۔ گناہ کیا ہے؟ باپ کی نافرمانی (یا اس کے خلاف بغاوت) ماں کی بے حرمتی۔ یہ دونوں بچپن کی ابتدائی ایڈی پس الجھن کے اجزا ہیں۔ تنقیر (Guilt) کا موضوع بہت

اہمیت رکھتا ہے اور تحلیل نفسی اپنی حقیقتات میں اس کی جزویات تک مگنی ہے۔ کیونکہ فرد کی شخصیت کے تجزیہ میں یہ الجھن بہت اہم ہے۔ نیوراتی مسائل اور تقصیر کی الجھنوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا گیا ہے بچوں میں تقصیر کا احساس اور اس کی نارمل نشوونما عنوان شباب تک جاتی ہے۔ اس اخلاقی (Moral) اور اخلاقیاتی (Ethical) معیاروں کو وابستہ کیا جاتا ہے۔ ان دونوں کے مابین امتیاز ہو سکتا ہے۔ ان میں سے ایک کو بحالیاتی اور سائنٹیفک ضمیر (Conscience) کہا جاتا ہے جو نارمل ضمیر بھیجن کی ایڈی پس کشش کا وارث ہے۔ بخلاف اس کے عموماً یوں ہوتا ہے کہ بھیجن کی ابتدائی نشوونما میں اگر غلطیاں ہوں تو اس سے نارمل ارتقارک جاتا ہے اور اس سے لاشعور میں تقصیر کا شدید احساس پیدا ہوتا ہے جو اپنی نوعیت کی وجہ سے بھیجن سے تعلق رکھتا اور غیر معقول ہوتا ہے۔ اس کے اثرات مریدانہ ہوتے ہیں۔ مذہب جسے گناہ کہتا ہے اس کا تعلق مذکورہ بالا تقصیر کے دونوں پہلوؤں سے کیا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کا جواب طوالت چاہتا ہے۔ یہاں ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مذہبی احساس کے ساتھ روحانی قدریں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ معتقدات کی اہمیت اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس سے انسانی ذہن کی عیسیت ترین خواہشات پوری ہوتی ہیں اور لاشعور کا اخلاقی تناؤ کچھ آسودگی پاتا ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے اگر لوگ اپنے مذہبی اعتقادات کو زندگی کی سب سے قیمتی چیز خیال کریں۔

اعلیٰ مذہب میں باپ سے صلح جوئی کے سلسلے میں جو مختلف الجھاؤ رونما ہوتے ہیں ان کی کافی اہمیت ہے۔ یہ صلح جوئی کیا ہے؟ ایڈی پس الجھن کی تہ میں دے ہوئے برے خیانات (باپ کا قتل اور نافرمانی اور ترویج محرمات) سے بخشش چاہنا اور مصالحت کرنا ہے۔ یہ دو طرح سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہمیں دو قسم کے مذہب ملتے ہیں۔ ایک کو ”مذہب باپ“ (Father Religion) کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو ”مذہب بیٹا“ (Son Religion) کہہ سکتے ہیں۔ پہلی قسم میں توحید پرستی والے مذہب آتے ہیں۔ یہودیوں میں عقیدہ مسلسل چلا آتا ہے اور وہ اس مذہب کے راہروؤں میں سے ہیں۔ یہاں صرف باپ کا فرما ہے اور اسی کی ذات سے ساری باتیں بلا واسطہ تعلق رکھتی ہیں۔ دعا اور ادھر عشرہ (Jen Comm and Ments) اس کا ذریعہ ہیں۔ دوسری قسم میں عیسائیت کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس میں عقائد کل خدا اور انسان کے درمیان ایک اور واسطہ

بھی ہے اور یہ ہے خدا کا بیٹا۔ بیٹے نے انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ اس نے "باپ خدا" کے غصے کے لئے اپنی قربانی دی اور یوں اس نے ساری انسانیت کے لئے جس کی وہ نجات دہی کرتا ہے مغفرت، مصالحت اور محبت حاصل کر لی۔ اس نکتی کا اثر یہ ہے کہ ایک طرف تو گناہگار اپنے تئیں "خداوند بیٹے" ایسا خیال کرتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے اور دوسری طرف اپنے ایسے قدام ہم عقیدہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ انہیں اپنے ایسا سمجھتا ہے۔ اس سے گویا گھر بیٹہ ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اور یوں ہر قسم کا حسد، رقابت اور محاسن جو گھر کی زندگی میں (باپ اور ماں کے درمیان) پوشیدہ ہوتی ہے مٹ جاتی ہے۔

دنیا کے سارے مذاہب مشابہ دو متضاد رجحانات مسلسل ملتے ہیں۔ ایک کے ذریعے "برے" رجحانات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ہر زمانے میں ہمیں عمرات ملتے ہیں جو اس زمانے کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس رجحان کے پیش نظر یہ کہا جائے گا کہ یہاں مذہب کا کام بالکل وہی ہے جو فرد کی ذاتی زندگی میں "سو پر ایفو" یا ایفو پیٹریل کا ہوتا ہے۔ فرد میں ایفو پیٹریل اس کا اپنا باپ ہے اور مذہب میں آسمانی باپ۔۔۔ دوسری طرف مذہب کے ذریعے ان مختلف انواع کے رجحانات کی آسودگی ہوتی ہے جو عملی یا اخلاقی وجوہ کے باعث زندگی میں نہیں ہو سکتی۔ اب یہ بات مسلمہ ہے کہ مذہبی احساسات کے سرچشموں میں سے جنس سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کا بین ثبوت ان ادنیٰ قسم کے مذاہب کی رسومات میں ملتا ہے جو مرد پر اور امریکہ میں پائے گئے ہیں۔ اعلیٰ قسم کے مذاہب میں بھی یہ کار فرما ہے مگر مختلف روپ میں یہاں مرد سے زیادہ بھاری ہیں۔ اس کی مثالیں (Black Moss) اور قدردن ادنیٰ کی (Feast of Fools) ہیں۔ جب ہم مختلف مذہبی رسومات اور احساسات کے مظاہر کا گہرا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کی نش میں وہی ہوئی جنسی خواہشات نہایت شدت سے کار فرما نظر آتی ہیں۔ یہ خواہشات بچپن کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں ان میں ترویج عمرات ہم جنس پرستی کے جذبات ہوتے ہیں۔ مذہب کے ذریعے یہ دہائی ہوئی خواہشات ارتقا کا روپ بدل کر آسودگی حاصل کرتی ہیں۔ دیوتاؤں میں یہی ارتقا ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے تئیں دیوتاؤں سے مطابقت (Identification) دے کر اور اپنی وہی ہوئی خواہشات ان پر پروجیکٹ کر کے آسودگی پاتے تھے۔ یہ آسودگی ہر مذہب میں موجود ہے خواہ

ذہنی دیوتاوں ہوں یا ساوی ہستیاں.....

اب ہم دو مذہبی گروہوں کا ذکر کریں گے، ان میں سے ایک ہے جو اس دنیا کی ساری لذات اور مسرتوں کو خود بھی ترک کر دیتا ہے اور دوسروں پر بھی قبو لگاتا ہے اور جو ان قبو کو نہ مانے اُسے سزا اور عذاب دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کے گروہ میں ارتقاع کے ذریعے وحشی زمانے کی جہتوں کی آسودگی کے لئے ایک راستہ ملتا ہے۔ اس گروہ میں وہ لوگ آتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی کے کام لیتے ہیں کی امداد اور محبت اور چارہ کے دوسرے اعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی دور رجحانات ہیں جن کی وجہ سے ایک طرف مذہبی تاریخ میں خون کی ندیاں، تڑپتی لاشیں، جلکتے بچے اور محروم عورتیں ہیں۔ مذہب کے نام پر خانہ جنگی ہے۔ عقیدے کے معمولی اختلاف پر عذاب دیا جاتا ہے اور دوسری طرف انسانیت سے بددرونی بھائی چارہ اور محبت نمایاں ہے۔ یہ دونوں پہلو درست ہیں کیونکہ مذہب کی اساس ہی دو گونا فطرت پر ہے۔ مذہب کشش سے پیدا ہوا ہے اور اس لئے وہ کشش پر زندہ رہے گا اور یہ کشش وہی ہے جو بچے کی ابتدائی زندگی میں ہوتی ہے۔

.....☆☆☆.....